ـ جميع الحقوق محفوظة بحقّ المؤلّف ـ

اسم الكتاب : حج کے فضائل اور حج وعمرہ کے احکام

تأليف : .... فضيلة الشيخ رضآء الله الباجوري

الطبع .... الاول سنه 1447ھ بمطابق 2025

تنضید: ابو منقادر ضاء اللہ بن الحاج خان بادشاہ حفظہ اللہ عنہ

النّاشر : ..... مدرسة ترتيل القرآن شريف آباد باجوڑ پاکستان

مقدمة

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلاَۃُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْاَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ، اَمَّا بَعْدُ !

مکۃ المکرمہ، خطہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین سرزمین' پرکشش اور پر جلال کعبۃ اللہ کی سرزمین' شعائر اللہ کی سرزمین' معجزات کی سرزمین' امن وسلامتی کی سرزمین' فیوض وبرکات کی سرزمین' خیرات وثمرات کی سرزمین' سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں اور تمناؤں کی سرزمین' سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جذبہ تسلیم ورضا کی سرزمین ولادت محمدی اور بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمین' سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی صدائے اَحد سے معمور فضاوں کی سرزمین' سیدنا حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی داستان وفا کی سرزمین شہادت گہ الفت میں قدم رکھنے والے آل یاسر رضی اللہ عنہ کی سرزمین' مرکز انقلاب' منبع توحید' سرچشمہ رشد وہدایت' بقعہ رحمت وانوار کی سرزمین، جہاں جنت سے لایا گیا پتھر حجر اسود موجود ہے جس پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنسو بہائے' جہاں ملتزم ہے جس پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اپنے رخسار مبارک رکھے جیسے بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے چمٹ جاتا ہے' جہاں جنت سے لایا گیا پتھر...مقام ابراہیم... بھی ہے' جہاں رکن یمانی ہے جس کے چھونے سے گناہ معاف ہوتے ہیں جہاں قدرت کا ایک لافانی معجزہ زمزم ہے جس میں ہر مرض کی دوا اور ہر دکھ کا درماں موجود ہے۔ جہاں کوہ صفاہ اور مروہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی نشانیوں میں سے نشانی قرار دیا ہے یہی وہ سرزمین ہے جہاں منیٰ کے وہ خوش نصیب ذرات ہیں جہاں امام الموحدین سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے نوجوان بیٹے کے گلے پر چھری چلائی یہی وہ سرزمین ہے جہاں میدان عرفات کے وہ مبارک سنگریزے ہیں جن پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں خالق ارض وسماء میزبان ہوتا ہے اور اس کے مسکین ومحتاج بندے معزز مہمان قرار پاتے ہیں۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں صرف دولت دین ہی نہیں دولت دنیا بھی لٹتی ہے۔ اس سرزمین پر جو شخص جتنا بڑا بھکاری بن کر آتا ہے اتنا ہی زیادہ عزوشرف کا مستحق ٹھہرتا ہے' جو شخص جتنا زیادہ ہاتھ پھیلانے کے آداب سے واقف ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اعزاز واکرام کا مستحق قرار پاتا ہے۔ یہاں خالق ومخلوق کے درمیان کوئی پردہ اور حجاب باقی نہیں رہتا۔ احساس قربت اور نزول رحمت کے نظارے انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ پس اے مصائب وآلام کے مارے ہوئے درماندہ حال لوگو! گناہوں اور معصیت میں ڈوبے ہوئے انسانو! آؤ اس سرزمین کی طرف جہاں خالق کائنات خود میزبان ہوتا ہے، جو بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ جو ایک بالشت آگے بڑھنے پر ایک بازو آگے بڑھتا ہے، جو ایک ہاتھ آگے بڑھنے پر دو ہاتھ آگے بڑھتا ہے، جو چل کر آنے والوں کی طرف دوڑ کر آتا ہے جو ہر روز اپنے خطاکار بندوں کے گناہ معاف کرنے کے لئے آسمان دنیا پر جلوہ فرما ہوتا ہے جس کی رحمت اس کے غصہ پر غالب ہے جس کی مغفرت زمین وآسمان کی وسعتوں سے بھی وسیع تر ہے۔ آؤ اس سرزمین کی طرف جہاں ایک دن میں اتنے آدمی جہنم کی آگ سے آزاد کئے جاتے ہیں جتنے سارے سال میں کسی اور دن نہیں ہوتے۔ آؤ اس سرزمین کی طرف جہاں سے آدمی اس طرح گناہوں سے پاک لوٹتا ہے جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' کان لگا کر ذرا غور سے سنو' اللہ کا پیغام لانے والا ہمارے لئے کیا پیغام لایا ہے۔

﴿ قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لاَ تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلمنّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّه هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (53:39)

"(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم)! کہہ دو کہ اے میرے (اللہ کے) بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناًاللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے بے شک وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم فرمانے والا ہے۔(سورۃ الزمر، آیت نمبر 53)

ابو عطاء المنعم رضاء اللہ بن الحاج خان بادشاہ محرم: 21محرم 1447ھ: مطابق: 2025: جولائی16یوم الاربعاء وقت 4:40العصر

حج کی مختصر تاریخ

قدیم عرب اقوام کی دو شاخیں زیادہ مشہور ہیں۔

1. عرب عاربہ

جنہیں قحطانی عرب کہا جاتا ہے۔ان کا جد امجد یعرب بن یسحب بن قحطان ہے۔

2. عرب مستعربہ

جنہیں عدنانی عرب کہا جاتا ہے ان کے جد امجد سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام قریباً چار ہزار سال قبل عراق کے شہر "اُور" میں پیدا ہوئے۔ "اُور" جہاں دنیاوی لحاظ سے بہت بڑا صنعتی اور تجارتی مرکز تھا وہاں دینی لحاظ سے بھی شرک کا بہت بڑا مرکز تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد "آزر" اپنی قوم کا پروہت اور پیشوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہوش سنبھالا تو سوچنے لگے کہ قوم جن بتوں اور پتھروں کو اپنا معبود سمجھتی ہے یہ نہ بول سکتے ہیں نہ چل پھر سکتے ہیں۔ نہ کھا پی سکتے ہیں نہ کسی کو نفع نقصان دے سکتے ہیں نہ ہی کسی کو زندگی اور موت دے سکتے ہیں' تو پھر انہیں اپنا رب کیوں مانا جائے؟ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صاف صاف اعلان فرمادیا

﴿ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (6:79)

"میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہر گز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ۔"(سورۃ الانعام، آیت نمبر 79)

اس واضح اور کھلے اعلان میں توحید کے بعد باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قتل کرنے اور گھر سے نکالنے کی دھمکی دے دی۔ باپ کا یہ جارحانہ طرز عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پائے ثبات میں ذرا سی لغزش بھی پیدا نہ کرسکا اور آپ ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر باپ کی وراثت ٬ گدی اور جاہ و عزت سب کچھ چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا تصادم حکومت وقت کے ساتھ ہوا۔ اپنی مشرک قوم کو شرک کی حقیقت سمجھانے کے لئے موقع پا کر سرکاری خانقاہ میں گھس گئے اور بڑے بت کے علاوہ تمام بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا٬ جب لوگوں کو علم ہوا تو آپ کو بادشاہ کے دربار میں طلب کیا گیا اور پوچھا گیا "ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟"

آپ نے جوب میں ارشاد فرمایا

"یہ سب کچھ معبودوں کے سردار نے کیا ہے، ان ٹوٹے ہوئے خداؤں سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں۔" پھر مزید فرمایا" لوگو! کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کر رہے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر۔ افسوس ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر جن کی تم عبادت کر رہے ہو، اللہ کو چھوڑ کر٬ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟" (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 22/23/26/27)

اس موقع پر بتوں کا نہ بول سکنا٬ نفع و نقصان نہ پہنچا سکنا ایک ایسی کھلی حقیقت تھی جس کا انکار ممکن نہ تھا، لہٰذا دوسرا سوال یہ پوچھا گیا" پھر تمہارا رب کون ہے؟" آپ نے جواب دیا" میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے۔" تب بادشاہ نے جواب دیا" زندگی اور موت تو میرے اختیار میں ہے۔" تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً ارشاد فرمایا" اچھا تو (میرا) اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے نکال لا۔" یہ (دلیل) سن کر کافر (بادشاہ) ششدر رہ گیا۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 258) اس مدلل اور مسکت جواب پر غور کرنے کی بجائے یہ شاہی فرمان جاری کیا گیا۔ "جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔" حکومت کا یہ ظالمانہ فیصلہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عقیدہ توحید سے منحرف نہ کرسکا آپ پہاڑوں کی سی استقامت اور بلندی کے ساتھ اپنے عقیدہ پر ڈٹے رہے۔ وہ ایک موحد جس کے ساتھ نہ کوئی لاؤ لشکر تھا نہ کوئی جماعت تھی نہ اسے کوئی وسائل حرب و ضرب میسر تھے نہ ہی اس کے پاس کوئی قوت تھی۔ تن تنہا پوری مشرک قوم پر بھاری ثابت ہوا، اسے راستے سے ہٹانے کے لئے پوری قوم حرکت میں آگئی۔ آگ کا الاؤ تیار کرایا گیا اور وہ جو پہلے ہی اپنے مالک حقیقی کے نام پر اپنی جان کے علاوہ ہر چیز قربان کرکے آیا تھا اب اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے کے لئے بے خطر آتش نمرود میں کود گیا۔ تب زندگی اور موت کے حقیقی مالک کی طرف سے فرمان جاری ہوا۔

﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾ (69:21)

"ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا ابراہیم کے لئے۔" (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 69)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے بالکل محفوظ اور مامون باہر نکل آئے۔

اس مشرک قوم کی بدنصیبی ملاحظہ ہو کہ اتنا بڑا معجزہ دیکھنے کے باوجود کوئی ایک آدمی بھی آپ پر ایمان نہ لایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں سے ہجرت کا حکم دے دیا اور آپ عقیدہ توحید کی خاطر اپنا آبائی وطن ترک کر کے شام کے شہر "حران" تشریف لے گئے۔ وہاں سے فلسطین کا سفر اختیار کیا۔ ایک مرتبہ اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ مصر تشریف لے گئے۔ بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے بری نیت سے دونوں کو دربار میں طلب کیا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے حضور دعا فرمائی جو قبول ہوئی اور بادشاہ اسی وقت اللہ کی پکڑ میں آگیا۔ جس سے بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ خاتون اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص مقرب بندی ہے، چنانچہ اس نے توبہ کی اور اپنی بیٹی ہاجرہ کو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دے دیا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے خود حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کروادیا۔ مصر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس فلسطین تشریف لائے اور اسے اپنی دعوت کا مرکز بنایا۔ اسی (80) سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ کو ایک بیٹا (حضرت اسماعیل علیہ السلام) عطا فرمایا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ابھی تک بے اولاد تھیں۔ اس لئے دونوں بیویاں اکٹھی نہ رہ سکیں لہٰذا آپ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر حجاز تشریف لے آئے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی بیوی اور بیٹے کو ایک بے آب وگیاہ وادی میں ٹھہرا دیا۔ واپس جانے لگے تو بیوی نے بار بار سوال کیا کہ "آپ ہمیں اس جنگل بیاباں میں کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہیں؟" اپنی رفیقۂ حیات اور چند ماہ کے جگر گوشہ سے جدائی کا تصور یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جذبات میں تلاطم برپا کر رہا ہوگا۔ آپ نے واپس پلٹے اور دیکھے بغیر صرف اتنا جواب دیا "اللہ کے حکم پر" تب وہ اللہ کی بندی سراپا تسلیم ورضا بن گئیں اور کہا کہ "پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔" اس طرح آپ اپنے اہل وعیال سے نامعلوم عرصہ کے لئے جدا ہوگئے۔ کچھ آگے جا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور ہاتھ پھیلا کر وہ دعا مانگی جس کے اثرات آج ہر مسلمان اس وادی ثمرات وبرکات میں پہنچ کر خود دیکھ سکتا ہے۔

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾(37:14)

"اے پروردگار! میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار! یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ لوگ یہاں نماز قائم کریں، لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔" (سورہ ابراہیم، آیت نمبر 37)

ایسی جگہ جہاں پر حشرات الارض اور جنگلی درندوں کی موجودگی کا امکان تو ہر وقت موجود تھا لیکن کسی غمگسار اور ہمدرد انسان کی موجودگی کا تصور بھی محال تھا۔ جہاں چند دنوں کی خوراک ختم ہونے کے بعد بظاہر غذا حاصل ہونے کے قطعاً کوئی آثار نہ تھے۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اہل وعیال کو تنہا چھوڑ کر اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے ایسی جگہ رہائش اختیار کر کے اللہ پر توکل کا ایسا نمونہ پیش کیا جو رہتی دنیا تک اپنی مثال آپ رہے گا۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے اہل وعیال کو اس بے آباد ویرانے میں لے جا کر بسانا بارگاہ ایزدی میں اتنا پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے فیصلہ فرما دیا کہ جس شخص پر حج کی عبادت فرض ہو وہ اسی طرح اپنے گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہو جس طرح میرا بندہ اپنے گھر سے بے گھر اور اپنے وطن سے بے وطن ہوا اور پھر اس مقام پر پہنچے جہاں ایمان نے شکست دی مادیت پرستی کو' عشق نے شکست دی عقل پرستی کو' اطاعت الٰہی نے شکست دی اطاعتِ نفس کو' محبت الٰہی نے شکست دی محبت عیال کو' اور زندگی نے شکست دی موت کو! حضرت ابراہیم علیہ السلام اس لق ودق صحرا میں اپنے اہل خانہ کے لئے جو متاع حیات چھوڑ کر گئے تھے وہ پانی کا ایک مشکیزہ اور چند کھجوریں

تھیں جب وہ ختم ہو گئیں تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی پیاس محسوس کرنے لگیں اور بچہ پیاس کی شدت سے رونے لگا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بے چین ہو کر قریب کی پہاڑی "صفا" کی طرف بھاگیں کہ شاید وہاں کوئی آدمی نظر آجائے جس سے پانی لے سکیں، کوئی چیز نظر نہ آئی تو اسی پریشانی کے عالم میں دوسری پہاڑی "مروہ" کی طرف بھاگیں۔

اسی اضطراب اور پریشانی کے عالم میں صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر ہو گئے۔ ابھی "مروہ" پر ہی تھیں کہ ایک آواز سنی' دیکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ایڑی مارنے سے پانی کا چشمہ وہیں نکل آیا جہاں سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام لیٹے تھے۔ یہ وہی چشمہ ہے جسے آب "زمزم" کہا جاتا ہے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے چشمہ کے گرد منڈیر بنا کر اسے حوض کی شکل دے دی۔ اب سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اطمینان سے خود بھی زمزم پیتیں اور بچے کو بھی اطمینان سے دودھ پلاتیں۔

لمحہ بھر کے لئے تصور کیجئے کہ لق ودق وصحرا، اکیلی خاتون اور ساتھ چند ماہ کا بچہ، نہ کوئی بات سننے والا نہ سنانے والا، نہ کوئی دلاسہ دینے والا، نہ سہارا دینے والا، پُر ہول سناٹا، پہلی رات آئی ہو گی تو کیسے کٹی ہو گی، پھر جب متاع خورد ونوش ختم ہوئی ہو گی، تو اس تنہائی میں ماں کی جان پر ہی بن آئی ہو گی۔ معصوم جگر گوشہ کو بھوک اور پیاس سے روتے دیکھ کر اکیلی ماں کا کلیجہ کٹ گیا ہو گا۔ پریشانی اور اضطراب کے عالم میں بچے کی سلامتی کے لئے مامتا کے ہاتھ والہانہ انداز میں بارگاہ رب العزت میں اٹھے ہوں گے اور پھر اسی مضطربانہ کیفیت میں پانی کی تلاش میں بھاگ نکلی ہوں گی۔ کبھی صفا پر کبھی مروہ پر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مومنہ بندی کی یہ اضطراری بھاگ دوڑ اس طرح قبول فرمائی کہ اس تمام سعی کو عبادت حج (یا عمرہ) کا رکن بنا دیا۔ کچھ مدت کے بعد ایک قبیلہ "بنو جرہم" کا ادھر سے گزر ہوا۔ پانی کی سہولت دیکھ کر انہوں نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے قیام کی اجازت چاہی۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پانی پر اپنا حق ملکیت تسلیم کرواتے ہوئے اجازت دے دی۔ وقت بڑی تیزی کے ساتھ پر لگا کر اڑتا رہا۔ نوے سالہ بوڑھے باپ کی امیدوں کا سہارا بچپن کی دہلیز سے گزر کر جوانی کی بہاروں سے آشنا ہونے لگا تو قدرت نے اس مرتبہ باپ کے ساتھ بیٹے کا بھی امتحان لینے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے اکلوتے نوجوان بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار اور وفاشعار بندہ جو ابھی ابھی کتنے ہی کٹھن امتحانوں سے گزر کر آیا تھا' یہ خواب دیکھ کر نہ تو رنجیدہ ہوا اور نہ ہی مستقبل کے خدشات اور وساوس کا شکار ہوا بلکہ بلا تامل ایک اطاعت گزار غلام کی مانند اپنے آقا ومالک کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور حکم کی تعمیل کے لئے فوراً فلسطین سے مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔

باپ جب بیٹے سے ملا ہو گا تو باپ نے اپنے جگر گوشہ کو سینے سے لگا کر خوب پیار کیا ہو گا۔ جب باپ نے بیٹے کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خواب میں تمہیں ذبح کرنے کا حکم دیا ہے' تو فرمانبردار بیٹے نے تسلیم ورضا کے اسی طرز عمل کا مظاہرہ کیا جس کا مظاہرہ اس سے پہلے عظیم باپ کر چکا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾(102:37)

"ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے، اسے کر ڈالئے۔ ان شاء اللہ! آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"(سورۃ الصافات، آیت نمبر102) سعادت مند بیٹے کا جواب سن کر باپ کو اطمینان ہو گیا اور دونوں باپ بیٹا اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور پھر اللہ

تعالیٰ کی رضا کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاریخ انسانی کا وہ عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا جس کا مشاہدہ نہ اس سے پہلے کبھی زمین و آسمان نے کیا نہ اس کے بعد کریں گے۔ اپنے جگر گوشہ کو منہ کے بل زمین پر لٹادیا اور چھری تیز کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور اس وقت تک پوری طاقت سے چھری اپنے بیٹے کے گلے پر چلاتے رہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صدا نہ آگئی۔

﴿ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴾(105:37)

" (اے ابراہیم!) تونے خواب سچ کر دکھایا ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔" (سورۃ الصافات، آیت نمبر 105)

چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے ایک مینڈھا بھیج دیا گیا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کر دیا۔ اپنے جگر گوشہ کو اپنے ہی ہاتھوں اللہ تعالیٰ کی محبت میں قربان کرنے کا عمل بارگاہ رب العزت میں اس قدر باعث عزو شرف ٹھہرا کہ رہتی دنیا تک اہل ایمان کو خواہ وہ منیٰ میں ہوں یا منیٰ سے باہر مشرق میں ہوں یا مغرب میں یہ حکم دے دیا گیا کہ وہ ہر سال جذبہ ابراہیمی کے ساتھ ایک جانور ذبح کرکے اس عظیم الشان واقعہ کی یاد تازہ کیا کریں۔ اس انوکھے اور عجیب و غریب امتحان میں کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بہت بڑے اعزاز سے نوازنے کا فیصلہ فرمایا۔ حکم دیا گیا کہ دنیا میں میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو۔ باپ بیٹے نے خوشی خوشی گھر کی تعمیر شروع کر دی۔ تعمیر کرتے کرتے جب حجر اسود کی جگہ پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا "بیٹا! کوئی اچھا سا پتھر ڈھونڈ کر لاؤ۔" حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر ڈھونڈ کر لائے، تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں کوئی دوسرا پتھر لگا چکے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا "یہ پتھر کہاں سے آیا ہے؟" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "یہ پتھر اللہ کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں۔" (ابن کثیر) یہ وہی پتھر ہے جسے حجر اسود کہا جاتا ہے اور طواف کے ہر چکر میں جس کا استلام کیا جاتا ہے۔ جس کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: "حجر اسود جنت سے بھیجا ہوا پتھر ہے جو دودھ کی طرح سفید تھا لیکن لوگوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔" (ترمذی) دیواریں جب کافی اونچی ہو گئیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک پتھر اٹھا کر لائے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر کرتے رہے یہ وہی پتھر ہے جسے "مقام ابراہیم" کہا جاتا ہے اور جس پر آنجناب علیہ السلام کے قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق یہ پتھر بھی جنت سے بھیجا گیا ہے (ابن خزیمہ) خوش نصیب باپ اور بیٹا بیت اللہ شریف کی تعمیر کرتے رہے اور ساتھ ساتھ یہ دعا مانگتے رہے۔

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾(127:2)

"اے پروردگار! ہم سے ہماری یہ خدمت قبول فرما تو سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔" (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 127)

بیت اللہ شریف کی تعمیر مکمل ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا:

﴿ وَأَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾(27:72)

"اے ابراہیم! لوگوں میں حج کے لئے اعلان کر دو۔" (سورۃ الحج، آیت نمبر 27)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا "اس بے آباد ویرانے سے باہر آبادیوں تک میری آواز کیسے پہنچے گی؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اعلان کرنا تمہارا کام ہے اور اسے لوگوں تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اعلان نہ صرف اس وقت کے زندہ انسانوں تک پہنچادیا بلکہ عالم ارواح میں تمام روحوں تک بھی یہ آواز پہنچادی گئی جس جس شخص کی قسمت میں بیت اللہ شریف کی زیارت لکھی تھی اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے جواب میں "لَبَّیْکَ" کہی۔ حج کے تلبیہ کی اصل بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسی اعلان کا جواب ہے۔(ابن کثیر) جب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ رہے۔ بیت اللہ شریف کے متولی رہے۔ آپ کی وفات کے بعد قبیلہ بنو جرہم کے سردار بیت اللہ شریف کے متولی بنے۔ بنو جرہم کے دور میں ہی دین ابراہیمی میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ متولی حضرات نذرانوں اور ہدیوں کا مال ہڑپ کرنے لگے، چنانچہ قبیلہ بنو خزاعہ نے جدال و قتال کے بعد تولیت کا منصب بنو جرہم سے چھین لیا، لیکن ان کے زمانے میں بگاڑ مزید بڑھتا گیا۔ بیت اللہ شریف بت کدے کی شکل اختیار کر گیا۔ شرک کی انتہاء کا یہ عالم کہ لات، منات، عزیٰ اور ہبل کے بتوں کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بت بھی بنا کر بیت اللہ شریف میں رکھ دئے گئے۔ بنو خزاعہ کے بعد بیت اللہ شریف کی تولیت قریش مکہ کے ہاتھ آگئی۔ قریشی سردار قصی بن کلاب نے خزاعی سردار کی بیٹی سے شادی کرلی جس کے نتیجے میں قریشی داماد کو خزاعی سسر سے کعبہ کی تولیت حاصل ہوگئی۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے 21 سال بعد تک (یعنی 8 ہجری) تک بیت اللہ شرک اور بت پرستی کا مرکز بنا رہا اور طریق جاہلیت کے مطابق مشرک حج کرتے رہے۔ 18 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو بیت اللہ شریف کو بتوں اور تصویروں سے پاک کیا۔ 9 ہجری میں حج فرض ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور فریضہ حج، اسلامی شریعت کے مطابق ادا کیا گیا۔ 10 ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چوبیس (یا چالیس) ہزار جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں حیات طیبہ کا پہلا اور آخری حج "حجۃ الوداع" ادا فرمایا۔

مختصر مسائل واحکامِ حج وعمرہ

فضائل وبرکاتِ حج وعمرہ:

[1] نماز وروزہ صرف بدنی عبادات ہیں اور زکوۃ صرف مالی، جبکہ حج وعمرہ، مالی وبدنی، ہر قسم کی عبادات کا مجموعہ ہے۔

[2] اسلام کے پانچ ارکان میں سے حج ایک اہم رکن ہے۔(صحیح بخاری ومسلم)

[3] ایمان وجہاد کے بعد حجِ مبرور ومقبول افضل ترین عمل ہے۔(صحیح بخاری ومسلم)

[4] دوران حج اگر کسی سے کوئی شہوانی فعل اور کسی گناہ کا ارتکاب نہ ہو تو حاجی گناہوں سے یوں پاک ہو کر لوٹتا ہے، جیسے آج ہی وہ پیدا ہوا ہے۔(صحیح بخاری ومسلم)

[5] حجِ مبرور کی جزاء جنت ہے۔(بخاری ومسلم)

[6] حج عورتوں کا جہاد ہے(صحیح بخاری) جسمیں کوئی قتال وجنگ بھی نہیں ۔(مسند احمد،ابن ماجہ، ابن خذیمہ، دار قطنی، بیہقی،ابن ابی شیبہ) عورتوں کی طرح ہی بوڑھوں اور ضعیفوں کا جہاد بھی حج وعمرہ ہے۔ (احمد، نسائی، بیہقی، عبدالرزاق، ابو یعلیٰ، طیالسی، ابن ابی شیبہ)

[7] حج وعمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہوتے ہیں۔(نسائی، ابن خذیمہ، ابن حبان، بیہقی، مستدرک حاکم)

[8] حاجی کی زندگی قابلِ رشک اور وفات قابلِ فخر ہوتی ہے کہ اگر وہ حالتِ احرام میں فوت ہوجائے تو قیامت کے دن وہ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ پکارتاہوا اٹھایاجائے گا۔(بخاری ومسلم)

[9] رمضان میں کئے گئے عمرے کا ثواب حج کے برابر ہے۔(صحیح بخاری ومسلم)

[10] ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفّارہ ہے۔(صحیح بخاری ومسلم)

فرضیّتِ حج اور تارک کیلئے وعید:

[11] "اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق(فرض) ہے کہ جو اسکے گھر (بیت اللہ شریف) تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں وہ اسکا حج کریں اور جو کوئی اسکے حکم کی پیروی سے انکار کرے، تو اللہ تعالیٰ تمام دنیاوالوں سے بے نیاز ہے۔"(سورۂ آلِ عمران: آیت ۹۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، لہٰذا تم حج کرو، ایک صحابی (اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ) نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہر سال حج کریں؟ انھوں نے تین بار یہ سوال دہرایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور بالآخر فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا، تو تم پر ہر سال حج فرض ہوجاتا اور تم اسکی طاقت نہ پاتے۔(صحیح بخاری و مسلم)

حج ایک مرتبہ فرض ہے، اسکے بعد جتنی مرتبہ کریں، وہ نفل ہے۔

(ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، دارقطنی، بیہقی، مسند احمد، ابن ابی شیبہ)

[12] حج کی استطاعت حاصل ہوجائے تو اسکی ادائیگی میں جلدی کرنا ضروری ہے۔

(مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی، معجم طبرانی کبیر، دارمی، مستدرک حاکم)

[13] اگر توفیق ہو تو پانچ سال میں ایک مرتبہ حج کرلیناچاہیئے۔

(ابن حبان، بیہقی، مصنف عبدالرزاق، مسند ابو یعلیٰ، معجم طبرانی اوسط)

[14] استطاعت حاصل ہو جانے کے باوجود مشاغلِ دنیا میں مصروف رہے اور اسی حالت میں حج کئے بغیر ہی موت آجائے تو ان کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ طاقت کے باوجود جن لوگوں نے حج نہیں کیا، میں ان پر غیر مسلموں سے لیا جانے والا ٹیکس(جزیہ) نافذ کر دوں۔ اللہ کی قسم، وہ مسلمان نہیں ہیں۔

(سنن سعید بن منصور ،اخبار مکہ فاکھی، شرح الاعتقاد لالکائی)

مفہومِ استطاعت :

[15] استطاعت کے مفہوم میں زادِراہ (سورۃ البقرہ، آیت:۱۹۷)اور سواری(یا اسکے اخراجات) شامل ہیں ۔(ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، ابن ابی شیبہ، شرح السنہ بغوی)

[16] اسی طرح اہل علم نے راستوں کے پر امن ہونے کی شرط بھی عائد کی ہے۔(الفتح الربانی ترتیب وشرح مسند احمد الشیبانی ۱۱/ ۴۲ا۔۱۴۳) عورتوں کیلئے ساتھ ہی کسی محرم کا ہونا بھی شرط ہے، جو حج اور کسی بھی سفر(بخاری ومسلم) خصوصاً ایک دن اور ایک رات(صحیح بخاری و مسلم) یا زیادہ سے زیادہ تین دنوں اور تین راتوں کے ہر سفر کیلئے شرط ہے۔(صحیح مسلم)

[17] استطاعت کے مفہوم میں ہی جسمانی استطاعت بھی شامل ہے، اگر کوئی شخص پیدل تو کیا، سواری پر بھی نہ بیٹھا رہ سکتا ہو تو اسکا حج کے سفر پر نکلنا واجب نہیں۔(بخاری ومسلم)

حجِ بدل:

[18] ایسا بوڑھا یا بیمار شخص اپنی طرف سے کسی کو 'حجِ بدل' کروادے۔(صحیح بخاری و مسلم)

[19] حجِ بدل عورت، مرد کی طرف سے (صحیح بخاری و مسلم) مرد، عورت کی طرف سے(صحیح بخاری و مسلم) عورت، عورت کی طرف سے(صحیح بخاری و مسلم) اور مرد مرد کی طرف سے کرسکتے ہیں ۔(ابوداؤد، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خذیمہ، دارقطنی، بیہقی، مسند ابو یعلیٰ، معجم طبرانی صغیر)

[20] حجِ بدل کرنے والے کیلئے شرط ہے کہ وہ پہلے اپنی طرف سے فریضۂ حج ادا کر چکا ہو۔(ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، ابن خذیمہ، دارقطنی، بیہقی، ابو یعلیٰ، معجم طبرانی صغیر)

سفرِ حج وعمرہ پر روانگی:

[21] تقویٰ وپرہیز گاری کو اختیار کریں کہ یہی بہترین زادِ راہ ہے۔(سورۃ البقرہ:۱۹۷)

[22] پورے سفر حج کے دوران بیہودہ وشہوانی افعال واقوال، لڑائی جھگڑے اور فسق و فجور سے بچیں۔(**سورۃ البقرہ:۱۹۷ وصحیح بخاری و مسلم**)

[23] روانگی سے قبل خلوصِ نیّت سے سابقہ تمام گناہوں سے توبہ کرلیں۔(**سورۃالنور:۳۱**)اسطرح سابقہ تمام گناہوں سےآپ ﷺ پاک ہوجائے گا۔(**ابن ماجه،معجم طبرانی کبیر**)

[24] اگر آپ کے ذمے کسی کا کوئی حق یاامانت ہوتووہ اداکردیں یالکھ جائیں۔(**النسآء:۵۸**)

[25] خلوص وللّٰہیت اختیار کریں کہ یہ قبولیتِ عمل کی ایک شرط ہے۔(**سورۃالبیّنه:۵**)

[26] مالِ حلال سے حج وعمرہ کریں، ورنہ اللہ کے یہاں قبولیت ناممکن ہے۔(**سورۃالبقرہ:۱۷۲، سورۃ المؤمنون:۵۱ وصحیح مسلم**)

[27] سفرحج وعمرہ کے دوران خصوصاًاورعام حالات میں عموماًممنوع زیب وزینت مثلاً داڑھی منڈوانا(صحیح بخاری ومسلم)اور مردوں کا سونے (کی انگھوٹھی یاچین وغیرہ)کااستعمال کرناحرام وفسق ہے۔(**صحیح بخاری و مسلم**)

[28] زندگی بھر عموماًاور سفر حج وعمرہ میں خصوصاًاعمال کے برباد کردینے والے شرک(الانعام:۹۸،الزمر:۶۵) اور فتنہ ودردناک عذاب کا باعث بننے اور جہنم لے جانے والی بدعات(النور:۶۳ و صحیح مسلم) کی تمام الائشوں سے اپنے آپ کو پاک رکھیں۔

[29] سفرحج وعمرہ پر کسی بھی دن نکل سکتے ہیں،البتہ مسنون ومستحب دن،جمعرات(**صحیح بخاری و مسلم**) اور صبح کاوقت (**ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجه،دارمی،بیهقی،ابن ابی شیبه، مسند احمد**) یا پھر کم از کم دوپہر وزوالِ آفتاب کا وقت ہے۔(**صحیح بخاری و مسلم**)

[30] کسی موحّد، متبعِ سنت اور بااخلاق انسان کو اپنا رفیقِ سفر بنالیناچاہیئے۔(**بخاری ومسلم**)

[31] آغازِ سفر پر گھر میں دورکعتیں پڑھنے کا صحیح احادیث سے ثبوت نہیں ملتا۔ابن ابی شیبہ اور ابن عساکر وغیرہ والی مرفوع حدیث ضعیف ہے۔(**سوئے حرم از مؤلف،تخریج:حافظ عبدالرؤف ص ۱۱۰۔۱۱۲**)البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہماوالاموقوف اثرسنداً صحیح ہے،جس میں انکاسفر پر نکلنے سے پہلے مسجد میں جاکر دورکعتیں پڑھنا ثابت ہے۔(ابن ابی شیبہ و حوالۂ سابقہ) سفر سے واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں دورکعتیں پڑھ کرگھر میں داخل ہوناثابت ہے۔(**صحیح بخاری و مسلم**)

[32] سفر سے واپس آکر گھر میں دن کے وقت یا سرِ شام داخل ہونا چاہیئے۔(بخاری و مسلم) طویل سفر سے واپسی پر اطلاع کئے بغیر رات کو اپنے گھر آنے سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایاہے۔(**بخاری و مسلم**)

اسمیں بہت ہی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔(**فتح الباری ۹/۳۳۹۔۳۴۱**)

[33] گھر سے نکلتے وقت یہ دعاء کریں:

((بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ)) (**ابوداؤد، ترمذی، عمل الیوم واللیلہ نسائی**)

"اللہ کا نام لیکر اور اس پر توکّل کر کے (گھر سے نکل رہا ہوں) اور اسکی توفیق کے بغیر نہ نیکی کرنے کی ہمّت ہے، نہ برائی سے بچنے کی طاقت۔"

[34] مسافر کو الوداع کرنے والے یہ کہیں:

((اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَکَ وَاَمَانَتَکَ وَخَوَاتِیْمَ عَمَلِکَ))

(**حوالہ جاتِ سابقہ و ابن ماجہ**)

"میں تیرے دین و امانت اور خاتمۂ عمل کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

[35] مسافر جوابی دعاء یوں کرے:

((اَسْتَوْدِعُکُمُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا تَضِیْعُ وَدَائِعُہٗ))

(**ابن ماجہ، مسند احمد، عمل الیوم واللیلۃ نسائی و ابن السنی**)

"میں آپ سب کو اس ذاتِ الٰہی کے سپرد کرتا ہوں، جس کے سپرد کی گئی کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔"

[36] سواری پر بیٹھتے وقت یہ دعاء کریں:

((اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ))
(**الزخرف:۱۳۔۱۴، صحیح مسلم**)

"اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخّر کیا، ورنہ ہم میں اسکی طاقت نہ تھی اور ہم سب اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

[37] محض زیادہ ثواب کی نیّت سے طویل سفر پیدل کر کے حج وعمرہ کرنے کیلئے مکہ مکرمہ جانا

بعض وجوہات کی بناء پر غلط ہے۔ سواری اللہ کی نعمت ہے۔ استطاعت ہو تو اسے استعمال کر لینا چاہیئے۔ اور یہی افضل ہے۔(فقہ السنہ ۱/۶۴۰، فتح الباری ۴/۷۹،۶۹۔۱۱، ۵۸۸/۸۰۔۵۸۹)

یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔(صحیحین سنن اربعہ ،ابن خزیمہ ،بیہقی ،طبرانی اوسط)

مواقیتِ حج وعمرہ:

[38] عمرہ کیلئے سال کے کسی بھی ماہ اور کسی بھی وقت احرام باندھا جا سکتا ہے۔(الفتح الربانی ۱۱/۵۱۔۵۸) البتہ حج کے احرام کیلئے مہینے مقرر ہیں۔ (البقرہ:۱۹۷،۱۸۹) جو کہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔(بخاری تعلیقاً، شافعی، حاکم ،دارقطنی ،بیہقی، طبرانی اوسط و صغیر)

[39] حج وعمرہ کیلئے جانے والوں کے احرام باندھنے کے مقامات یہ ہیں:

(۱) مدینہ سے ہوتے ہوئے آنے والوں کیلئے ذوالحلیفہ(بئرِ علی)، (۲) اہلِ شام اور اس راہ سے (اندلس، الجزائر، لیبیا، روم، مراکش وغیرہ سے) آنے والوں کیلئے جحفہ (رابغ)، (۳) اہلِ نجد اور براستہ الریاض۔ الطائف گزرنے والوں کیلئے قرن المنازل(السیل الکبیر یا وادیٔ محرم)، (۴) اہلِ یمن اور اس راستے سے (جنوبِ سعودیہ، انڈونیشیا، چین، جاوہ، انڈیا اور پاکستان سے) آنے والوں کیلئے یلملم(سعدیہ)

(۵) اوران مقامات سے اندرونی جانب رہنے والوں کیلئے انکے اپنے گھر ہی میقات ہیں ۔(صحیح بخاری ومسلم)6۔اہلِ عراق اور اس راستہ سے(ایران اور براستہ حائل) آنے والوں کا میقات ذاتِ عرق نامی مقام ہے۔(صحیح مسلم) مصر کیلئے بھی شام والوں کا ہی میقات ہے۔(نسائی، دارقطنی، بیہقی، نیز دیکھیئے: فتح الباری ۳/۳۸۴۔۳۹۱، الفتح الربانی ۱۱/۱۰۵ وما بعد، المرعاۃ شرح مشکوٰۃ ۶/۲۳۲ ومابعد، فقہ السنہ)

[40] حج وعمرہ کی نیّت سے مکہ مکرمہ جانے والا اگر احرام باندھے بغیر میقات سے گزر جائے تو واپس لوٹ کر میقات سے احرام باندھ کر جائے یا پھر اندر ہی کہیں سے احرام باندھ لے تو دَم(فدیہ کا بکرا) دے اور اس کا حج وعمرہ صحیح ہو گا۔(الفتح الربانی والمرعاۃ)

[41] کسی ذاتی غرض، تجارت، تعلیم، علاج وغیرہ سے جائے اور حج وعمرہ کا ارادہ نہ ہو تو بلا احرام حدودِ حرم میں داخل ہو سکتا ہے۔(حوالہ جاتِ سابقہ)

[42] پاک وہند سے ہوائی جہاز سے آنے والے لوگ احرام کی چادریں اور خواتین احرام کے کپڑے پہن کر چلیں اور جہاز کے عملے کے یہ بتانے پر کہ میقات سے گزرنے لگے ہیں، وہاں سے لَبَّیکَ.... پکارنا شروع کر دیں۔ ہوائی مسافروں کا جہاز میقات سے گزر کر جدہ آتا ہے، لہٰذا انکے لئے جدہ میقات نہیں ہے۔(تنبیہات علیٰ أنّ جدہ لیست میقاتا للشیخ محمد عبداللّٰہ بن حمید والمرعاۃ ۲۳۵/۶۔۲۳۸)

احرام باندھنے کا طریقہ:

[43] غسل کرکے احرام باندھنا سنت ہے۔(ترمذی، ابن خذیمہ، دار قطنی، بیہقی) حیض والی عورتیں بھی غسل کرلیں اور احرام باندھ لیں۔(صحیح مسلم) سردی یا کسی وجہ سے آپ غسل نہ کر سکیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔(شرح مسلم نووی، الفتح الربانی)

[44] غسل یا وضوء کرکے احرام کی نیّت کرنے سے پہلے مردوں کا بدن پر خوشبو لگانا جائز ہے، چاہے اسکا اثر بعد میں دیر تک ہی کیوں نہ رہے۔(صحیح بخاری ومسلم)

[45] مرد، دو سفید چادریں لے لیں، عورتیں معمول کا صاف ستھرا اور موٹا وساتر لباس ہی بطورِ احرام استعمال کرلیں۔ مرد سر کو ننگا رکھیں اور ایسا جوتا پہنیں جو ٹخنوں کو نہ ڈھانپے۔ عورتیں دستانے نہ پہنیں اور نہ ہی منہ پر نقاب باندھیں، البتہ غیر محرم لوگوں سے سر سے کپڑا گرا کر پردہ کریں۔(ابوداوٗد، ابن ماجہ، ابن خذیمہ، دارقطنی، بیہقی، مسند احمد، حاکم، موٗطا مالک)

[46] احرام کیلئے کوئی مخصوص نماز نہیں۔ فرض، اشراق، ضحیٰ، تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد کی رکعتیں پڑھ لیں تو وہی کافی ہیں۔(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۰۸/۲۶۔۱۰۹) بعض احادیث کی رو سے جمہور علماء کے نزدیک یہ دو رکعتیں مستحب ہیں ضروری نہیں، اور انکا وقت احرام باندھنے کے بعد اور لَبَّیکَ..... پکارنا شروع کرنے سے پہلے ہے۔(بخاری ومسلم)

[47] صرف عمرہ یا افضل ترین حجِ تمتع کا عمرہ کرنے والا دل میں نیّت کرلے اور یہ الفاظ کہنا بھی ثابت ہے:

((اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ عُمْرَةً))

"اے اللہ! میں عمرہ کیلئے حاضر ہوا ہوں۔"

اور اگر حجِ قِران کرنا ہو تو یہ کہیں:

((اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ حَجًّا وَعُمْرَةً))

"اے اللہ! میں حج وعمرہ کیلئے حاضر ہوا ہوں۔"

صرف حجِ مُفرد (بلا عمرہ) کرنا ہو تو یوں کہیں:

((اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ حَجّاً))

"اے اللہ! میں حج کیلئے حاضر ہوا ہوں۔"

[48] اسکے بعد تلبیہ کہنا شروع کردیں جو یہ ہے:

((لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ،لَبَّيْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ،اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ)) (**صحیح بخاری و مسلم**)

"میں حاضر ہوں، اے میرے رب! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بیشک ہر قسم کی تعریف، تمام نعمتیں، اور بادشاہی تیرے ہی لئے ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں۔"

ساتھ ہی یہ کہتے جائیں:

((لَبَّيْكَ اِلٰهَ الْحَقِّ لَبَّيْكَ)) (نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن حبان، ابن خزیمہ، دارقطنی، حاکم، احمد، طیالسی)

"میں حاضر ہوں، اے معبودِ برحق! میں حاضر ہوں۔"

تلبیہ بلند آواز سے کہنا چاہیئے، حتیٰ کہ خواتین بھی اتنی آواز سے کہیں کہ انکی ساتھی خواتین سن سکیں۔ دوسرے مردوں تک ان کی آواز نہ جائے۔ (**منسک ابن تیمیہ بحوالہ مناسک الحج والعمرہ للالبانی ص۱۸**)

[49] میقات سے عمرہ کا احرام باندھیں اور عمرہ کرکے احرام کھول دیں، معمول کے لباس میں رہیں، ۸ ذوالحجہ (یومِ ترویہ) کو پھر اپنی رہائش گاہ سے حج کا احرام باندھیں اور دس ذوالحجہ کو قربانی کے بعد کھول دیں۔ یہ حجِ تمتّع ہے، جو کہ افضل ترین حج ہے۔ (بخاری و مسلم نیز دیکھیئے نیل الاوطار ۲/۴/۳۱۰-۳۱۴، الفتح الربانی ۱۱/۹۵-۹۶)

[50] میقات سے حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھیں اور عمرہ کرکے احرام نہ کھولیں، اسی حالت میں ۸ ذوالحجہ کو منیٰ چلے جائیں، ۱۰ ذوالحجہ کو قربانی کے بعد احرام کھول دیں۔ یہ حجِ قِران ہے۔ اگر قربانی کا جانور ساتھ لے لیا ہو تو پھر حجِ قِران کرنا ہی سنت ہے۔

[51] میقات سے حج کا احرام باندھیں، مکہ پہنچ کر طوافِ قدوم و سعی کریں اور احرام کھولے بغیر منیٰ چلے جائیں اور تمام مناسکِ حج پورے کرکے احرام کھول دیں۔ یہ حجِ مفرد ہے اور اس حج کے ساتھ قربانی واجب نہیں ہے۔

محرّماتِ احرام: (وہ اُمور جو احرام کی حالت میں منع ہیں):

[52] احرام کی حالت میں بال کٹوانا، کاٹنا یا نوچنا حرام ہے۔(البقرہ:۱۹۶) کسی عذر کی وجہ سے بال کٹوانے پڑیں تو اس پر فدیہ ہے، جو کہ چھ مسکینوں کا کھانا یعنی تین صاع (ساڑھے چھ کلو گرام) غلہ بانٹ دو یا تین روزے رکھ لو یا پھر ایک بکرا ذبح کر دو۔(**صحیح مسلم**)

[53] ناخن کاٹنا (مردوزن) سلے ہوئے کپڑے پہن لینا، جرابیں پہن لینا، سر ڈھانپنا (مردوں) اور خوشبو لگانا عورتوں اور مردوں کیلئے حرام ہے۔(**صحیح بخاری و مسلم**)

[54] عورتوں کا دستانے پہننا اور نقاب (ڈھاٹا) باندھنا بھی منع ہے۔(صحیح بخاری) لیکن وہ سر کے کپڑے سے غیر محرم لوگوں سے پردہ کریں ، جیسا کہ امہات المؤمنین اور صحابیات y نے کیا تھا۔(ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن خذیمہ، دار قطنی، بیہقی، احمد، حاکم، موطا مالک)

[55] نکاح و منگنی کرنا بھی منع ہے۔(صحیح مسلم)

[56] جنگلی جانوروں کا شکار کرنا (المائدہ:۹۵-۹۶) بھی منع ہے۔اگر غلطی سے شکار کر بیٹھے تو فدیہ دے (المائدہ:۹۵) نیل گائے کے بدلے پالتو گائے اور ہرن کے بدلے بکری ذبح کرے اور اگر مالی استطاعت نہ ہو تو ایسے جانوروں کی قیمت لگا کر اسکے برابر غلہ بنایا جائے اور پھر ہر ایک صاع (دو کلو) کے بدلے ایک روزہ رکھیں (تفسیر ابن کثیر مترجم اردو ۲/۲۲-۲۷) بجو کے شکار کے بدلے مینڈھا ہے۔(**ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجه، ابن حبان، ابن خذیمه، دارقطنی، بیهقی، حاکم، مسند احمد، ابو یعلیٰ**) خرگوش کے شکار پر بکری کا ایک سال سے چھوٹا بچہ (موطا مالک، مسند شافعی، بیہقی) جنگلی گدھے کے شکار پر گائے (بیہقی) کبوتر پر بکری (مسند شافعی) لومڑی اور گوہ پر بھی بکری کا ایک سال کا بچہ فدیہ ہے۔(مسند شافعی)

[57] جماع (ہم بستری)، بوس و کنار، بدکاری و معصیت اور لڑائی جھگڑا بھی منع و حرام ہے۔(البقرہ:۱۹۷) جماع سے حج باطل ہو جاتا ہے اور بوس و کنار سے حج باطل تو نہیں ہوتا مگر اس پر دَم (ایک بکری ذبح کر کے بانٹنا) ہے۔(**المغنی ۳/۳۱۰، الفتح الربانی ۱۱/۲۳۳-۲۳۶**)

[58] بلاضرورت کنگا کرنا مکروہ ہےَ(شرح مسلم نووی ۴/۸/۱۴۰) اور اگر کوئی واقعی ضرورت پیش آجائے تو پھر جائز ہے۔(**صحیح بخاری و مسلم**)

آدابِ حرمینِ شریفین:

[59] حدودِ حرمین میں اُگے ہوئے درخت، گھاس اور نباتات کاٹنا ہر حال میں منع ہے۔البتہ اِذخر نامی گھاس، خود اُگائی ہوئی سبزیات اور سوکھے ہوئے درختوں یا گھاس پھوس کو کاٹنے کی اجازت ہے۔(بخاری و مسلم نیز دیکھیئے المغنی ۳/۳۱۶،۳۱۵)

[60] احرام کی حالت کی طرح حدودِ حرم میں بھی شکار کرنا منع ہے۔البتہ مرغی و بکری وغیرہ ذبح کر سکتا ہے اور ان کا گوشت بھی کھا سکتا ہے۔

[61] حدودِ حرم میں گری پڑی چیزوں کا اُٹھانا بھی منع ہے، سوائے اسکے جو اعلان کروانا (یا دفتر مفقودات و گمشدہ اشیاء میں جمع کروانا) چاہتا ہو۔(صحیح بخاری و مسلم)

مباحاتِ احرام:(وہ امور جو احرام کی حالت میں جائز ہیں):

[62] غسلِ جنابت کے جواز پر تو تمام علماءامت کا اجماع ہے۔(فتح الباری ۵۵/۴۔۵۶،الفتح الربانی ۲۱۰/۱۱۔۲۱۳) اور محض ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے بھی جائز ہے۔(بخاری ومسلم) سر کو دونوں ہاتھوں سے مَل کر دھو سکتے ہیں۔(صحیح بخاری ومسلم) دورانِ غسل اگر سر یابدن کا کوئی بال خود بخود ٹوٹ کر گر جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔(الفتح الربانی ۲۱۳/۱۱،فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۱۶/۲۶) اسکے لئے کوئی بھی صابن استعمال کر سکتے ہیں ،البتہ احناف کے نزدیک اُس صابن کا خوشبودار نہ ہونا ضروری ہے۔(الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۶۵۰/۱۔۶۵۱،فقہ السنہ ۶۶۶/۱)سر دھوتے یانہاتے وقت اگر پانی میں غوطہ لگانے سے سر ڈھک جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(مسند شافعی وسنن کبریٰ بیہقی) بوقت ضرورت احرام کا کوئی کپڑا بدلا یا دھویا جاسکتا ہے۔(دارقطنی،بیہقی،المحلّیٰ ابن حزم)

[63] چھتری،کپڑے،خیمے،درخت یا گاڑی کے چھت وغیرہ کے نیچے سائے میں بیٹھنا جائز ہے۔(بخاری ومسلم ،نیز دیکھیئے فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۱۲/۲۶،فقہ السنہ ۶۶۷/۱۔۶۶۹)

[64] بوقتِ ضرورت آنکھوں میں سُرمہ یا کوئی دوا لگانا بھی روا ہے۔(صحیح مسلم) محض زینت کیلئے سُرمہ لگانا مناسب تو نہیں،لیکن اس پر کوئی فدیہ بھی نہیں۔(المغنی ۲۹۵/۳)

[65] مچھلی وغیرہ کا سمندری شکار کرنا اور اسکا گوشت کھانا جائز ہے۔(سورۃ المائدہ:۹۶)

[66] بلا قصد وارادہ عورت سے چھُو جانے میں کوئی مضایقہ نہیں۔(الفتح الربانی ۲۳۶/۱۱) البتہ شہوت کے ساتھ چھُونا اور بوس وکنار کرنا حرام ہے،جس کی تفصیل محرّمات احرام میں گزری ہے۔

[67] موذی جانوروں ،سیاہ و سفید کوّے،چیل،بچھّو،چوہے اور کاٹنے والے پاگل کتّے کو (احرام کی حالت اور حرم میں بھی)مارنا جائز ہے۔(بخاری و مسلم)شیر،چیتااور بھیڑیا بھی مار سکتے ہیں ۔(مستدرک حاکم ،نیز دیکھیئے فتح الباری ۳۶/۴۔۳۹) عام گھریلو کالا کوّااس حکم سے خارج ہے۔(فتح الباری ۳۸/۴،فقہ السنہ ۶۷۱/۱) مکھی،مچھر،کھٹمل،چیچڑی،چیونٹی اور جوئیں نکال کر پھینک سکتا ہے اور ماردے تو بھی کوئی حرج نہیں،البتہ مارنے سے پھینکنا اچھا ہے۔(المحلّیٰ ابن حزم ۲۴۵/۷،فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۱۸/۲۶،فقہ السنہ ۶۷۰/۱)

[68] احرام کی حالت میں سر کا ڈھانپنا تو منع ہے،جیسا کہ محرّمات میں ذکر ہوا ہے،البتہ منہ ڈھانپ سکتے ہیں.(فتح الباری ۵۴/۴۔۵۵،شرح مسلم نووی ۱۲۶/۸۔۱۲۹،فقہ السنہ ۶۶۶/۱)

[69] پچھنے اور سینگی لگوانا یا فصد کروانا جائز ہے(بخاری ومسلم) سر یا جسم کے کسی حصے کو احتیاط کے ساتھ خراش سکتا ہے۔(بخاری تعلیقاً، مالک و بیہقی موصولاً)

اسکے باوجود اگر کوئی بال گر جائے تو کوئی حرج نہیں۔(فتاویٰ" ابن تیمیه ۳۶۸/۲ بحواله حجة النبی صلی الله علیه وسلم للالبانی ص۲۷)

[70] بیلٹ، گھڑی، عینک لگانا، پرس باندھنا، آئینہ دیکھنا، چادر کو گرہ لگانا، عورت کا زیور پہننا اور مرد کا چاندی کی انگھوٹھی پہن لینا جائز ہے۔(بخاری، مالک، ابن حزم، فقه السنه ۱/۲۶۸)

[71] پھول یا کسی بُوٹی کی خوشبو سونگھنا، دانت داڑھ نکلوانا، مرہم پٹی کروانا، ٹوٹے ہوئے ناخن کو اتار کر پھینکنا قابلِ مواخذہ نہیں ہے۔ (بخاری، موطا مالک، بیہقی، محلّیٰ، فقه السنه ۱/۲۶۷) بوقتِ ضرورت سر پر کچھ اٹھالینے سے سر ڈھک جائے تو کوئی حرج نہیں ۔(فقہ السنہ ۱/۲۶۶)

آدابِ دخول مکہ ومسجدِ حرم:

[72] ممکن ہو تو دخولِ مکہ سے قبل کہیں غسل کریں، دن کو شہر مکّہ میں داخل ہوں، اس دن سے پہلی رات مقام ذی طویٰ (آبارِ زاہد) پر گزاریں (بخاری ومسلم) مکہ میں بالائی جانب(ثنیہ کداء یا ثنیہ علیاء) کی طرف سے داخل ہوں اور مکہ کی زیریں جانب سے نکلیں۔(بخاری ومسلم) اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی بھی راستہ سے داخل ہوسکتے اور نکل سکتے ہیں ۔(ابوداؤد، ابن ماجه، دارمی، بیهقی، ابن خذیمه، مسند احمد، مستدرک حاکم)

[73] باب السلام سے ہوتے ہوئے باب بنی شیبہ کے راستے مسجد حرام میں داخل ہوں۔

(ابن خذیمه، بیهقی، مستدرک حاکم) مسجدِ حرام میں داخلے کے وقت بھی دایاں قدم پہلے اندر رکھیں۔(بیہقی ومستدرک حاکم) اور یہ دعاء کریں:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ ،اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)) (مسلم)

"اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ور حمتیں نازل فرما۔اے اللہ! میرے لئے رحمتوں کے دروازے کھول دے۔"

[74] بیت اللہ شریف (کعبہ شریف) پر نظر پڑے تو اسوقت کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی دعاء ثابت نہیں اور جو مشہور ہے، وہ ضعیف ہے۔البتہ حضرت عمرِ فاروق اور سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہما یہ دعاء کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلاَمُ وَمِنْكَ السَّلاَمُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلاَمِ)) (ابن ابی شیبه، بیهقی، اخبار مکه ازرقی، کتاب الام شافعی)

"اے اللہ! تو سلام ہے اور تجھی سے سلامتی ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔" [75] کعبہ شریف کو دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں ہاتھوں کو اٹھانا تو صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ البتہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے مروی ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔(**مناسک الحج والعمرہ شیخ ناصر الدین ص۲۰**)

مسائل واحکام اور طریقہ طواف:

[76] مسجدِ حرام کا تحیہ، طواف ہے، لہٰذا یہاں داخل ہوتے ہی تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں نہ پڑھیں بلکہ طواف شروع کر دیں۔ ہاں اگر کوئی فرض نماز رہتی ہے تو وہ پہلے پڑھ لیں۔(**المغنی ۳/۳۳۳، فقه السنه ۱/۶۹۳**)

[77] طواف کیلئے طہارت و وضوء شرط ہے۔(بخاری و مسلم) حیض و نفاس کی حالت میں طواف نہ کیا جائے۔(**بخاری و مسلم**)

[78] سب سے پہلے حجر اسود کے سامنے آئیں اور بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کہتے ہوئے اسے بوسہ دیں اور طواف شروع کر دیں۔(**بخاری و مسلم**) اور اگر بوسہ نہ دے سکیں تو ہاتھ یا چھڑی لگا کر اسے بوسہ دے لیں۔(**بخاری و مسلم**) اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دور سے ہی تکبیر کہتے ہوئے اشارہ کریں اور طواف شروع کر دیں۔(**بخاری و مسلم**) صرف اشارے کی شکل میں ہاتھ کو بوسہ دینا ثابت نہیں ہے۔ یہ عمل طواف کے ساتوں چکروں میں سات مرتبہ دہرائیں۔(**ابوداؤد، نسائی، ابن خذیمه، بیهقی، احمد، حاکم**) یہاں دھکم پیل اور زور آزمائی جائز نہیں اور بوسہ دینے کیلئے کمزوروں کو تکلیف نہیں دینی چاہیئے۔(**احمد، بیهقی، عبدالرزاق، کتاب الام شافعی**)

[79] طواف کے ہر چکر میں رکنِ یمانی کو بوسہ دینا ثابت نہیں نہ اشارہ کرنا۔ ممکن ہو تو صرف ہاتھ سے چھُونا روا ہے۔(مناسک الحج والعمرہ ص۲۲)

[80] صرف پہلے طواف کے ساتوں ہی چکروں میں مردوں کیلئے اضطباع (دایاں کندھا ننگا کرنا) اور ان میں سے صرف پہلے تین چکروں میں رمل چال (آہستہ آہستہ دوڑنا) ضروری ہے۔(**ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجه، دارمی، بیهقی، مسند احمد، معجم طبرانی کبیر**) رمل سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔(بخاری و مسلم) مگر عموماً اسمیں لاپرواہی کی جاتی ہے۔

[81] حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کی درمیانی دیوار "ملتزم" کے ساتھ چمٹنا، اس پر چہرہ، سینہ، ہاتھ اور بازو لگانا اور دعائیں کرنا بھی مسنون عمل ہے۔(**ابوداؤد، ابن ماجه، دارقطنی، بیهقی، مسنداحمد مصنف عبدالرزاق**) اس کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں، البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خولِ مکہ کے وقت یعنی طواف کے ساتھ ہی کسی وقت کر لیتے تھے۔(**مناسک الحج والعمرہ ص۲۳**)

[82] طواف، حطیم (حجرِ اسماعیل علیہ السلام کا نیم دائرہ) کے باہر سے گزر کر کرنا چاہیئے (بخاری) تاکہ پورے بیت اللہ کا طواف ہو جسکا کہ حکم ہے۔(**سورۃ الحج:۲۲**)

[83] حجرِ اسود، رکنِ یمانی اور ملتزم کے سوا پورے بیت اللہ (کعبہ شریف) کے کسی بھی حصہ کو بوسہ دینا یا چھُو نا یا اشارہ کرنا ثابت نہیں ہے۔(بخاری و مسلم نیز دیکھیئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۹۷/۲۶، مناسک الحج والعمرہ ص۲۲)

[84] دورانِ طواف بلا ضرورت لا یعنی گفتگو نہ کریں ،کیونکہ طواف بھی نماز ہی ہے،البتہ اس میں جائز گفتگو حلال ہے۔(ترمذی، نسائی، ابن حبان ، ابن خذیمہ، دارمی، طبرانی ، احمد، حاکم)

[85] رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیانی حصہ میں یہ دعاء کریں: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرہ:۲۰۲) "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا وآخرت کی بھلائیاں عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔"(ابوداؤد، مسند احمد، ابن حبان، بیہقی، حاکم، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ابن خذیمہ)باقی سارے چکر اور ساتوں ہی چکروں میں قرآنِ کریم اور صحیح احادیث سے ثابت شدہ کوئی بھی دعاء کریں، چاہے اپنی اپنی زبان میں دعائیں مانگیں، کوئی حرج نہیں۔(ابن تیمیہ بحوالہ مناسک الحج والعمرہ ص۲۳) اور سات چکروں کیلئے الگ الگ جو سات دعائیں تجویز کی گئی ہیں،ان کے "چکر" میں نہیں آنا چاہیئے۔

[86] بیت اللہ کے جتنا قریب ہو کر طواف کریں، اتنا ہی افضل ہے،البتہ بھیڑ کی وجہ سے جہاں بھی ممکن ہو کرلیں، پوری مسجدِ حرام(اور اسکی سب منزلوں) میں طواف صحیح وجائز ہے۔(التحقیق والایضاح للشیخ ابن باز ص۳۱)

[87] اگر طواف کے چکروں میں شک ہو جائے تو تھوڑی تعداد پر اعتماد کرکے باقی تعداد کو پورا کرلیں۔(حوالۂ سابقہ)

[88] پیدل طواف افضل ہے، مگر کسی ضرورت و مجبوری کے تحت سوار ہو کر طواف کرنا بھی جائزہ ہے۔(بخاری و مسلم)

[89] طواف کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے اور نہ ہی طواف والی دو رکعتوں کا کوئی وقتِ کراہت ہے،وہ بھی ہر وقت پڑھی جاسکتی ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خذیمہ، بیہقی، دارقطنی، مسند احمد، ابو یعلیٰ، مستدرک حاکم)

[90] استحاضہ(عورت کو خون کا قطرہ آتے رہنا) بواسیر، سلسلِ بول(پیشاب) اور سلسلِ ریح(ہوا) کی بیماری والے طواف و نماز ادا کرسکتے ہیں ۔(بخاری و مسلم، فقہ السنہ ۶۹۶/۱)

[91] دورانِ طواف نماز کا وقت ہو جائے یا بول وبراز کی حاجت ہو جائے تو اپنی نماز سے فارغ ہو کر جہاں سے طواف چھوڑا تھا، وہیں سے شروع کرلیں۔(بخاری مع فتح الباری ۴۸۴/۳ المغنی ۳۵۵/۳، فقہ السنہ ۶۹۸/۱)

[92] طواف کے سات چکروں سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر آجائیں اور یہ پڑھیں: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ (البقرہ:۱۲۵) "

اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو جائے نماز بناؤ۔" مقامِ ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان رکھ کر(صحیح مسلم)دو رکعت نماز پڑھیں۔

(بخاری ومسلم)اگر اژدہام کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو تو پھر سارے حرم میں کہیں بھی یہ دو رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔اگر بھول جائیں تو حرم یا خارج از حرم کہیں بھی انکی قضاء بھی ممکن ہے۔(فتح الباری ۴۸۷/۳) پہلی رکعت میں سورہٗ فاتحہ کے بعد سورۂ قُلْ یَاَ اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھنا مسنون ہے۔(ابن ماجه،نسائی،بیہقی)ایک حدیث میں پہلی رکعت میں الاخلاص اور دوسری میں الکافرون آیا ہے۔(مسلم)مگر قرآنی ترتیب کے مطابق پہلی حدیث ہی ہے۔یہ دو رکعتیں پڑھ کر وہیں بیٹھے بیٹھے خوب دعاء کریں۔

[93] اب آبِ زمزم پئیں، بشرطیکہ روزہ نہ ہو اور اپنے سر پر بھی پانی ڈالیں۔(مسند احمد) ایک حدیث میں چہرہ دھونے کا بھی ذکر ہے، مگر وہ روایت ضعیف ہے۔(اخبار مکہ فاکہی، تخریج سوئے حرم ص۲۸۹)پوراوضوء کرنے بلکہ نہانے اور اسمیں کفن ونقدی بھگونے والے اپنی اداؤں پر ذراغور کریں۔آبِ زمزم مریضوں کو پلانا اور ان پر چھڑکنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔(تاریخ کبیر امام بخاری،ترمذی، مسند ابو یعلیٰ،مستدرک حاکم،بیہقی)

[94] زمزم پی کر پھر حجرِاسود کا استلام(بوسہ چھُو نایااشارہ) کریں تاکہ طواف کا اول وآخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح استلام پر ہی ہو۔اور پھر بابِ صفا سے صفا پر چلے جائیں۔(صحیح مسلم)

مسائل واحکام اور طریقہ سعی: [95] سعی کا آغاز کرنے کیلئے صفا پہاڑی کے اوپر تک چلے جانا مسنون وافضل ہے۔وہاں یہ آیت پڑھیں:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ﴾ (البقرہ:۱۵۸)

"بیشک صفاومروہ اللہ کے شعائرونشانیوں میں سے ہیں۔"

اور ساتھ ہی یہ کہیں:

((اَبْدَاُ بِمَا بَدَاَ اللّٰہُ بِہٖ))(صحیح مسلم)

"میں بھی وہیں سے سعی شروع کرتاہوں جہاں سے اللہ نے(تذکرہ) شروع فرمایاہے۔"

صفا پر قبلہ رو کھڑے ہوکر تین مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ،اَللّٰہُ اَکْبَرُ ،اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں اور پھر تین مرتبہ ہی یہ ذکرِ الٰہی دہرائیں:

((لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ ، یُحْیِ وَیُمِیْتُ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ))

"اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں،اسکا کوئی شریک نہیں۔بادشاہی اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

((لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ ، اَنْجَزَ وَعْدَہٗ ،وَنَصَرَ عَبْدَہٗ ، وَ ھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ)) (صحیح مسلم)

"اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے نے تمام سرکش جماعتوں کو شکست دی۔"
[96] اب یہاں اپنے لئے خوب دعائیں کریں اور صفا سے نیچے مروہ کی جانب اترنا شروع کر دیں اور جب سبز ستونوں کے وسط میں پہنچیں تو آہستہ آہستہ دوڑیں، یہاں تک کہ اگلے سبز ستون آ جائیں، پھر آہستہ آہستہ چلنے لگیں اور مروہ تک پہنچ جائیں۔(صحیح مسلم)

[97] صفاومروہ کی سعی کے دوران بھی طواف کی طرح صرف ایک دعاء ہی مرفوعاً ضعیف مگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے صحیح سند سے ثابت ہے، جو یہ ہے:

((رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ ،إِنَّکَ اَنْتَ لاَ عَزُّ الْاَ کْرَمُ))(مصنف ابن ابی شیبہ ،بیہقی،طبرانی اوسط)

"اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، تو غالب اور صاحبِ کرم ہے۔" صفا کی طرح ہی مروہ کے بھی اوپر چڑھ جائیں اور وہاں بھی صفا والا ذکر اور دعائیں کریں۔(صحیح مسلم)صفا سے مروہ تک ایک اور مروہ سے صفا تک دو اور اسی طرح سات چکر مروہ پر مکمل ہونگے۔طواف اور سعی کے چکروں میں یہ فرق ہے۔(صحیح مسلم نیز دیکھیئے شرح نووی ۱۷۸/۸/۴ ،الفتح الربانی ۸۲/۲۱۔۸۳)

[98] صفاومروہ کی موجودہ صورتِ حال میں حیض و نفاس والی عورت کا سعی کرنا مناسب نہیں لگتا، کیونکہ یہ ساری جگہ ہی حرم میں شامل لگتی ہے۔ بہر حال اصل مسئلہ یہ ہے کہ صفاومروہ کی سعی کیلئے طہارت و وضوء شرط نہیں ہے۔(مسلم) گویا باوضوء افضل ہے، مگر بلا وضوء بھی جائز ہے۔

[99] طواف کی طرح ہی سعی بھی پیدل ہی افضل ہے، مگر بوقتِ ضرورت سواری کا استعمال بھی جائز ہے۔(بخاری ومسلم)

[100] سعی مکمل کر کے مروہ سے باہر نکل جائیں اور صرف عمرہ یا حجِ تمتّع کا عمرہ کرنے والے سر منڈوالیں یا سارے سر کے بال ہلکے کروالیں۔صرف چند جگہوں سے قینچی سے بال کاٹ لینا جائز نہیں ہے۔عورتیں چوٹی کے بال پکڑ کر انگلی کے پُورے کے برابر کاٹ لیں۔اسکے ساتھ ہی احرام کھول دیں، آپ کا عمرہ مکمل ہوا۔

[101] اگر کوئی قربانی ساتھ لایا ہے اور حج قران کر رہا ہے تو وہ عمرہ مکمل کرلے، بال نہ کٹوائے، نہ احرام کھولے، بلکہ بدستور احرام میں ہی رہے۔ وہ یومِ نحر کو ہی قربانی کے بعد احرام کھولیں گے۔(بخاری ومسلم)البتہ اگر کوئی قربانی ساتھ نہ لایا ہو اور قِران کی نیّت کرلی ہو تو اسے عمرہ کر کے قربانی کی نیّت فسخ کر دینی اور تمتّع کی نیّت کر لینی چاہیئے اور بال کٹوا کر احرام کھول دینا چاہیئے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا تھا۔(بخاری ومسلم)

[102] اگر کسی عورت نے عمرہ کا احرام باندھا اور طواف سے پہلے ہی حیض آ گیا یا زچگی ہو گئی تو وہ پاک ہونے تک طواف و سعی نہ کرے۔خون بند ہونے کے بعد غسل کر کے طواف وغیرہ کرے اور اگر ۸ ذوالحج تک بھی پاک نہ ہو تو منیٰ چلی جائے۔ اسطرح اسکا یہ "حجِ قِران" ہو جائے گا۔(التحقیق والایضاح ص۳۴) ایسی عورت اور ہر قارن کیلئے صرف ایک ہی طواف و سعی حج و عمرہ دونوں کیلئے کافی ہے۔(بخاری

و مسلم)اور اگر ایسی کوئی عورت حضرت عائشہ r کی طرح تنعیم سے عمرہ بھی کر لیتی ہے تو اسکے لئے مثال موجود ہے۔(بخاری و مسلم) یہ صرف ایسے ہی لوگوں کیلئے ہے۔اس سے ''چھوٹا عمرہ'' کی لائینیں لگا دینا ثابت نہیں ہوتا۔اور نہ ہی ایک سفر میں بکثرت عمرے سلفِ امت سے ثابت ہیں ۔(زادالمعاد ۲/۱۷۰)

مسائل واحکام اور طریقۂ حج احرامِ حج اور منیٰ کو روانگی:

[103] ۸ ذوالحج(یومِ ترویہ) کو اپنی رہائش گاہ سے غسل کر کے بدن کو خوشبو لگا کر (لَبَّیْکَ حَجّاً اور پھر تلبیہ کہتے ہوئے) حج کا احرام باندھیں اور منیٰ کو روانہ ہو جائیں۔(بخاری و مسلم)

اور نمازِ ظہر وعصر، مغرب وعشاء اور اگلے دن کی فجر وہیں پڑھیں۔(صحیح مسلم) یہاں ظہر وعصر اور عشاء قصر کر کے پڑھنا سنت ہے، اور اس میں مقامی و آفاقی حُجاج میں کوئی فرق نہیں۔(التحقیق والایضاح ص۲۷) اگر کثرتِ حُجاج اور اژدہام کی وجہ سے کسی کو منیٰ میں جگہ نہیں ملتی اور وہ منیٰ کے آخری حصے کے ساتھ ہی مگر منیٰ سے باہر خیمہ لگا لیتا ہے تو اسکا حج صحیح ہے، کیونکہ عذر کی وجہ سے منیٰ میں نہ رہ سکنے کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرانے والوں اور اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پانی پلانے کی وجہ سے رخصت دے دی تھی۔

عرفات کو روانگی:

[104] ۹ ذوالحج(یومِ عرفہ) کو سورج نکلنے کے بعد میدانِ عرفات کی طرف روانہوں(مسلم) ممکن ہو تو منیٰ سے پہلے وادیٔ نمرہ میں جائیں اور زوالِ آفتاب تک وہیں رہیں۔(مسلم)اور زوال کے بعد ساتھ ہی اگلی وادیٔ عرنہ میں چلے جائیں، جہاں آجکل مسجدِ نمرہ بنائی گئی ہے۔وہاں نمازِ ظہر وعصر کی دو دو رکعتیں(قصر) ایک آذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر کے وقت میں جمع تقدیم سے پڑھیں اور پھر عرفات چلے جائیں(صحیح مسلم) اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو سیدھے عرفات ہی چلے جائیں۔

[105] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبلِ رحمت کے دامن میں وقوف فرمایا۔اسکے اوپر نہیں چڑھے(صحیح مسلم) اور فرمایا کہ ''میں نے یہاں وقوف کیا ہے۔البتہ سارا میدانِ عرفات ہی جائے وقوف ہے''(صحیح مسلم) حاجیوں کیلئے یومِ عرفہ کا روزہ جائز نہیں۔(بخاری و مسلم)البتہ ۹ ذوالحج کا روزہ عام مسلمانوں کیلئے دو سال کے گناہوں کا کفّارہ ہے(صحیح مسلم) میدانِ عرفات میں یہ دن ذکر اور دعائیں کرنے میں گزاریں۔دعاؤں کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ سینے تک(بیہقی، احمد، اخبار مکہ فاکہی) اٹھائے تھے۔(نسائی، ابن خذیمہ، احمد، طبرانی)

[106] ''کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ یومِ عرفہ سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم سے رہائی دے۔''(صحیح مسلم)''اس دن اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نازل ہوتا ہے اور فرشتوں کے سامنے اہلِ عرفات پر فخر کرتا ہے۔۔اور فرشتوں کو گواہ بنا کر کہتا ہے: میں نے ان سب کو بخش دیا۔''(شرح السنہ بغوی، مسند ابو یعلی، صحیح ابن خذیمہ، ابن حبان، مسند احمد)

[107] ایک دعاء کو یومِ عرفہ کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منتخب فرمایا ہے جو یہ ہے:

(لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ ،لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ ،وَھُوَعَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ))(ترمذی، مسند احمد، مؤطا امام مالک، بیہقی، شرح السنہ، مصنف عبدالرزاق ،ابن ابی شیبہ)

"اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں، تمام بادشاہی اور ہر طرح کی حمد وثناء اسی کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔" غرض یہ سارادن قرآن وسنت سے ثابت شدہ مسنون اذکار ودعاؤں اور اللہ سے اپنی حاجتیں طلب کرنے میں گزارنا چاہیئے۔

مزدلفہ کو روانگی:

[108] غروبِ آفتاب کے بعد میدانِ عرفات سے (مغرب کی نماز پڑھے بغیر) تلبیہ وتکبیرات کہتے ہوئے مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جائیں، اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء جمع تاخیر اور قصر سے پڑھیں، ایک آذان اور دونوں کیلئے الگ الگ اقامت کہیں (صحیح مسلم) اور دونوں نمازوں کی پانچ فرض رکعتوں کے سوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں کچھ بھی پڑھنا ثابت نہیں۔ (صحیح بخاری) علّامہ ابن قیّم کی تحقیق کے مطابق اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ تہجّد بھی نہیں پڑھی۔ (حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیخ ناصر الدین ص۷۶) صبح نمازِ فجر کے بعد مشعر الحرام کے پاس یا مزدلفہ میں کہیں بھی ذکر ودعاء میں مشغول رہیں اور روشنی خوب پھیل جانے پر مگر طلوعِ آفتاب سے تھوڑا پہلے منیٰ کو روانہ ہو جائیں۔ (صحیح مسلم) روانگی سے قبل اور فجر کے بعد جمرۂ عقبہ پر رمی کیلئے سات یا کم وبیش کنکریاں چُن سکتے ہیں۔ (صحیح مسلم) اور اگلے دنوں میں روزانہ اکیس کنکریاں منیٰ سے لیکر رمی کر لینا بھی جائز ہے۔ (التحقیق والایضاح ص۴۲)

[109] صرف خواتین اور ضعیف وبوڑھے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے منیٰ جا سکتے ہیں۔ (بخاری ومسلم) مگر جمرۂ عقبہ کی رمی طلوعِ آفتاب کے بعد ہی کرنا ہو گی۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، طیالسی، مسند احمد)

[110] مزدلفہ ومنیٰ کے مابین وادیٔ محسّر بھی آتی ہے، جو کہ منیٰ کا ہی حصّہ ہے، جہاں ابرہہ اور اسکے لشکر کو اللہ نے ابابیلوں (پرندوں کے لشکر) سے تباہ کروایا تھا. وہاں سے گزرتے وقت تیز تیز نکل جانے کا حکم ہے۔ (مسلم) تعجب ہے کہ بعض لوگ وہاں سوئے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔

یوم نحر وقربانی اور احرام اتارنا:

[111] ۱۰ ذوالحج (یومِ نحر) کو سب سے پہلے جمرۂ عُقبہ (بڑے جمرہ) پر رَمی کریں، جو موٹے چنے سے ذرا بڑی سات کنکریوں سے ہو گی۔ کنکریاں ایک ایک کر کے ماریں اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہیں۔ (صحیح مسلم) جمرات پر بڑے بڑے کنکر وپتھر اور جوتے مارنا روا نہیں ہے۔ اس جمرہ کے پاس کھڑے ہو کر دعاء کرنا ثابت نہیں۔ (مؤطا امام مالک) اس جمرۂ عقبہ پر رَمی کرنے کے ساتھ ہی تلبیہ کہنا بند کر دیں۔ (بخاری ومسلم)

[112] منیٰ میں موجود حُجاج کو نمازِ عید پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ انکی رمی ہی عید کے قائم مقام ہوتی ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۶/۱۷۰۔۱۷۱) [113] رمیٔ جمرہ کے بعد قربانی کریں۔ (مسلم) یہ حج تمتّع (البقرہ:۱۹۶) اور حجِ قِران والوں کیلئے واجب ہے۔ اور

حجِ مفرد والوں پر قربانی واجب تو نہیں لیکن کر لیں تو کارِ ثواب ہے۔(بخاری و مسلم) اُونٹ اور گائے میں سات سات حاجی شریک ہوسکتے ہیں (مسلم) البتہ عام مسلمان جب منٰی کے علاوہ عید الاضحیٰ پر قربانی کریں تو اُونٹ میں دس گھر شرکت کرسکتے ہیں۔(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خذیمہ، ابن حبان، معجم طبرانی کبیر، بیہقی، حاکم)

[114] قربانی کا مسنون وقت جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد شروع ہوتا ہے اور چار دنوں یوم نحر وایام تشریق(۱۳،۱۲،۱۱،۱۰) تک رہتا ہے۔(ابن حبان، دارقطنی، بیہقی، احمد، مسند بزار)

[115] قربانی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جانور کو قبلہ رو کرکے (بائیں پہلو پر) لٹائیں اور اسکے دائیں پہلو پر اپنا پاؤں رکھیں۔(بخاری و مسلم) اور چھُری چلادیں۔

[116] اُونٹ کو نحر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسکا اگلا بایاں پاؤں اسکے گھٹنے سے باندھ کر اسے تین ٹانگوں پر کھڑا رہنے دیں۔(بخاری و مسلم) اور اسے قبلہ رو کرلیں۔(بخاری تعلیقاً، موطا امام مالک وسنن کبریٰ بیہقی موصولاً) اور اسکی گردن کو پیچھے کی طرف موڑ کر اسکی رَسی اسکی دُم سے باندھ دیں اور ذبح ونحر کی دعائیں کرتے ہوئے اسکی ٹانگوں کی جڑوں اور گردن کے آغاز میں موجود گڑھے میں خنجر یا برچھا ماردیں۔وہ جلد ہی گر جائے گا۔قرآنِ کریم میں ان کے اسی طرح زمین پر لگ جانے کا ذکر ہے۔(الحج:۳۶) مستحب تو یہی طریقۂ نحر ہے۔البتہ اسے بیٹھے بیٹھے ذبح کرنا بھی جائز ہے۔(نزھۃ الطالبین وعمدۃ المفتین للنووی ۳/۳۰۷)

[117] قربان کو نحر یا ذبح کرتے وقت یہ اذکار ودعائیں پڑھیں:

((بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ)) (صحیح مسلم)

"اللہ کے نام سے، اور اللہ سب سے بڑا ہے۔" ((اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا مِنْکَ وَلَکَ)) (صحیح مسلم) "اے اللہ! یہ تیری توفیق سے ملا اور تیری رضاء کیلئے دیا ہے۔" ((اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ)) (صحیح مسلم) "اے اللہ! اسے میری طرف سے قبول فرما۔"

[118] قربانی کا گوشت خود بھی کھانا چاہیئے۔(الحج:۳۶) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔(مسلم)

[119] اگر قربانی دینے کی طاقت نہ ہو تو تین روزہ ایامِ حج [ایامِ تشریق میں (صحیح بخاری) یا اسکے بعد مکّہ] میں اور سات واپس اپنے گھر جاکر رکھ لیں۔(سورۃ البقرہ:۱۹۶)

[120] قربانی کے بعد سر منڈوالیں یا بال چھوٹے کروالیں (الفتح:۲۷) البتہ سر منڈوانا افضل ہے۔(بخاری و مسلم) عورتوں کیلئے سر منڈوانا روا نہیں ہے۔(ابوداؤد، دارمی، دارقطنی، بیہقی، طبرانی) وہ اپنی چوٹی کے بالوں کو اکٹھا کرکے آخر سے تمام بالوں کو انگلی کے پُورے کے برابر کاٹ لیں۔(المغنی ۳/۳۹۵) ناخن بھی کاٹ لیں تو بہتر ہے۔(زادالمعاد ۲/۲۷۰)

[121] بال کٹوانے کے بعد احرام کھول دیں اور خوشبو وغیرہ لگائیں۔(بخاری ومسلم) یہ "تحلّلِ اول" ہے۔اب میاں بیوی کے تعلقات کے سوا تمام پابندیاں ختم ہو گئیں۔

[122] جو لوگ قربانی کیلئے کو پن لئے ہوئے ہوں، وہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد بال کٹوائیں اور احرام کھول لیں۔

[123] ۱۰/ذوالحج کو ہی سب سے اہم کام اور حج کا رکنِ اعظم "طوفِ افاضہ" (طوفِ حج یا طوفِ زیارت) کرلیں تو یہی مسنون ہے۔(بخاری ومسلم) اگر بیماری ونقاہت یا حیض وغیرہ کے عذر کی وجہ سے ۱۰ ذوالحج کو ممکن نہ ہو تو ایامِ تشریق(۱۳،۱۲،۱۱) میں کرلیں۔ورنہ جب مجبوری زائل ہو تب ہی سہی اور اس تاخیر پر کوئی فدیہ وکفّارہ بھی نہیں ہے۔(المغنی ۳/۳۹۶ ،بلوغ الامانی ترتیب و شرح مسند احمد الشیبانی ۱۲/۲۰۴۔۲۰۵)

[124] اس طواف میں احرام، رمل اور اضطباع نہیں ہے۔(ابو داوٗد،ابن ماجه،ابن خذیمه،مستدرک حاکم) حجِ تمتع کرنے والوں کیلئے اس طواف کے بعد صفا ومروہ کے مابین سعی بھی ضروری ہے اور قِرَان ومفرد والوں کیلئے طوفِ قدوم یا طوفِ عمرہ کے ساتھ کی گئی سعی ہی کافی ہے(ترمذی، ابن ماجہ، ابن خذیمہ، ابن حبان، بیہقی)طواف سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں پڑھیں۔

(صحیح بخاری تعلیقاً،مصنف عبدالرزاق وابن ابی شیبه موصولاً)

اس طواف وسعی کے بعد حاجی کو "تحلّلِ ثانی" یا "تحلّلِ کلّی" حاصل ہو جاتا ہے اور میاں بیوی کے تعلقات سمیت تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں ۔(بخاری ومسلم)

ایامِ تشریق اور قیامِ منیٰ:

[125] طوافِ افاضہ کے بعد واپس منیٰ لوٹ جائیں اور ایامِ تشریق کی راتیں وہیں گزاریں (ابو داوٗد،ابن خذیمه،ابن حبان،دارقطنی، بیهقی، احمد، حاکم)ان ایام کے دوران مکّہ جانا اور زیارت وطوفِ کعبہ کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (بخاری تعلیقاً،معجم طبرانی کبیر،بیهقی موصولاً)

[126] ان دِنوں تمام نمازیں انکے اوقات پر مگر قصر اور باجماعت ادا کریں۔(بخاری ومسلم)

[127] ۱۱۔۱۲اور۱۳ذوالحج کو زوالِ آفتاب کے بعد تینوں جمرات کو سات سات کنکریوں سے رمی کرنا مسنون ہے۔(ترمذی، ابن ماجہ)صحابہ y کا عمل بھی یہی تھا۔(بخاری) پہلے چھوٹے پر رمی کریں اور فارغ ہو کر ایک طرف ہو جائیں اور قبلہ رو ہو کر دعاء مانگیں، ایسے ہی درمیانے پر کریں ،البتہ بڑے کے پاس دعاء ثابت نہیں۔(بخاری ومسلم)

[128] اگر کوئی صرف ۱۱۔۱۲ کی رمی کرنے پر ہی اکتفاء کرتا ہے، تو اسکے لئے یہ جائز ہے۔(البقرہ: ۲۰۳) ۱۲ ذوالحج کی رمی کرکے مغرب سے پہلے پہلے اپنی جگہ سے روانہ ہو جائیں اور اگر وہیں مغرب ہوگئی تو پھر اگلے دن ۱۳ ذوالحج کی رمی کرنا ضروری ہو جائے گا۔(موطا) احناف اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے(موطاامام محمد ص ۲۳۳،المجموع ۸/۲۸۳ المغنی ۳/۷ ۴۰)

[129] بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور عورتوں کیلئے اگر خود جاکر رمی کرنے کی گنجائش نہ ہو تو وہ وکیل مقرر کر سکتے ہیں اس سلسلہ میں بعض ضعیف احادیث بھی ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، ابن ابی شیبہ، اور معجم طبرانی اوسط میں ہیں۔(فقہ السنہ ۱/۷۳۵،المغنی ۳/۲۸۶،التحقیق ص ۵۰،النیل ایضاً)وکیل پہلے خود اپنی سات کنکریاں ایک ایک کرکے مارے، پھر موکّلین کی بھی اسی طرح مارے، مٹھی بھر کر کنکریاں پھینک دیں تو یہ رمی شمار نہیں ہوگی۔(المغنی ۳/۲۸۶)

[130] ایامِ تشریق کی راتیں منیٰ میں گزارنا واجب ہے۔(ابوداؤد،ابن خذیمه،ابن حبان، دارقطنی،بیهقی،مسنداحمد،مستدرک حاکم)

البتہ بکریاں اور اُونٹ چرانے والوں (اصحابِ سنن،ابن حبان،ابن خذیمہ، دارمی، احمد، حاکم، موطامالک)اور حُجاج کو پانی پلانے کی ذمہ داری نبھانے والوں(حضرت عباس رضی اللہ عنہ) کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ راتیں منیٰ میں نہ گزارنے کی رخصت دے دی تھی۔(بخاری و مسلم)

[131] اگر کسی نے اس واجب کو بلا عذرِ شرعی ترک کر دیا تو اسے بعض آئمہ (مالک، شافعی، اور ایک روایت میں امام احمد) کے نزدیک دم دینا پڑے گا، جبکہ امام احمد کی مشہور روایت اور احناف کے نزدیک ترکِ قیامِ منیٰ پر فدیہ نہیں ہے۔(نیل الاوطار ۳/۵/۸۰)لیکن انہیں رمی کرنا ہو گی، ایسے لوگ ایک دن بکریاں چرائیں اور ایک دن میں دونوں کی اکٹھی کنکریاں مار لیں۔

(اصحابِ سنن،ابن حبان،ابن خذیمه،مسنداحمد،مستدرک حاکم،دارمی،موطامالک)

بچوں کا حج وعمرہ:

[132] بچوں کا حج صحیح ہے اور اسکا ثواب بچوں کے علاوہ انھیں حج کروانے والوں (والدین) کو بھی ہوتا ہے۔(مسلم) عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دور خلفاء رضی اللہ عنہم میں سات سال اور کم و بیش عمر کے نابالغ بچوں کو حج کروانے کے کئی واقعات کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔(مسلم) انکا یہ حج نفلی شمار ہوگا اور بالغ ہونے پر اگر اللہ نے توفیق دے کر حج فرض کر دیا تو وہ فرض ادا کرنا ہو گا

[133] میقات پر احرام سے لیکر تمام مناسک انھیں اپنے ساتھ ساتھ پورے کروائیں، سوائے رمی کے، یہ آپ خود انکی طرف سے کر دیں، ناسمجھ بچوں سے احرام کے آداب پورے کروائیں، انھیں خوشبو نہ لگائیں، انکے بال یا ناخن نہ کاٹیں اور اگر وہ کسی معاملہ میں کوئی کمی بیشی کر دیتے ہیں تو ان پر کوئی دم یا گناہ نہیں ہے۔(المحلّی ۷/۲۶۷-۲۷۷،المرعاۃ ۶/۲۰۰-۲۰۳)

سمجھدار بچے کو احرام باندھیں اور ناسمجھ بچے کو معمول کے لباس (خواتین کی طرح) میں رکھ کر اسے احرام کے حکم میں داخل کر دیا جائے، لیکن افضل واحوط احرام باندھنا ہی ہے۔(المرعاۃ ۶/۲۰۱، فتح الباری ۴/۷۱-۷۳، شرح نووی، بدایۃ المجتہد ابن رشد ۱/۲۵۳، سبل السلام ۱/۲/۱۸۱، المغنی، التحقیق ابن باز ص۲۳، تحفۃ الاحوذی ۳/۲۷۴-۲۷۶، الفتح الربانی ۱۱/۳۰-۳۱)

[134] تمتّع اور قِران کرنے والے بچوں کی طرف سے بھی قربانی واجب ہے۔(الشرح الصغیر للدردیر ۲/۸۔حاشیہ الدسوقی، المرعاۃ ۶/۲۰۲)

طوافِ وداع :

[135] مکّہ مکرمہ سے اپنے شہر یا ملک جانے سے پہلے طوافِ وداع کرنا واجب ہے۔ البتہ حیض والی عورت یہ طواف کئے بغیر مکّہ سے روانہ ہو سکتی ہے۔(بخاری و مسلم) طوافِ وداع میں نہ رمل ہے نہ احرام ہے، نہ اضطباع اور نہ ہی اسکے ساتھ سعی ہے۔ طواف کریں، دو رکعتیں پڑھیں اور روانہ ہو جائیں۔ حرم شریف سے الٹے پاؤں باہر نکلنا سراسر خانہ ساز فعل ہے۔(**مناسک الحج والعمرہ شیخ ناصر الدین** ص۴۳)

احکام و آدابِ زیارتِ مدینہ منورہ:[1]

[136] مسجد نبوی میں نماز کی نیّت سے مدینہ منورہ کا سفر کیا جائے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے سوا کسی طرف بغرضِ ثواب رخصتِ سفر باندھنے سے منع فرمایا ہے۔(بخاری و مسلم) مدینہ منورہ پہنچ کر مسجدِ نبوی میں جائیں، جہاں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔(بخاری و مسلم) پچاس ہزار نماز والی حدیث (ابن ماجہ) ضعیف و ناقابلِ حجّت ہے۔

[137] مسجدِ نبوی میں داخل ہوتے ہی دعائے دخول اور پھر تحیۃ المسجد پڑھیں اور اگر ممکن ہو تو روضۃ الجنّۃ میں پڑھیں جو قبرِ شریف کے ساتھ ہی سفید ستونوں والی جگہ ہے اور جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "جنّت کا باغیچہ" قرار دیا ہے۔(بخاری و مسلم) اگر کسی فرض نماز کا وقت ہے تو پہلے باجماعت نماز ادا کر لیں۔

[138] فرض نماز یا تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مقدس کے پاس جائیں اور یوں سلام کریں:

((اَلسَّلَامُ عَلَىٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ))

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو۔"

پھر ساتھ ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر پر انھیں یوں سلام کریں:

((اَلسَّلَامُ عَلَىٰ اَبِیْ بَکْرٍ))

"ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سلام ہو۔"

اور پھر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر پر انھیں یوں سلام کہیں:

((اَلسَّلاَمُ عَلَیٰ عُمَرَ))

"عمر رضی اللہ عنہ پر سلام ہو۔"

(موطأ مالک، عبدالرزاق وابن ابی شیبہ، بیہقی، فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاسماعیل القاضی)

[139] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرامگاہ کے در و دیوار یا جالیوں اور پوری مسجدِ نبوی کے کسی بھی حِصّہ کو تبرّک کی نیّت سے چھُونا، پھر ہاتھوں کو چہرے اور سینے پر پھیرنا اور چومنا ثابت نہیں ہے۔ امام غزالی، ابن تیمیہ، امام نووی، ابن قدامہ، ملّا علی قاری، شیخ عبدالحق دہلوی (دیوبندی) اور مولانا احمد رضا خان (بریلوی) نے بھی ان امور کو منع قرار دیا ہے (احیاء علوم الدین غزالی ۱/۲۴۴، المغنی ۳/۵۰۰، فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۶/۹۷، انوار البشارات فی مسائل الحج والزیارات فاضل بریلوی ص ۲۹، احکام شریعت فاضل بریلوی حصہ سوم، معراج الدرایہ ص۱۲۴، جذب القلوب الی دار المحبوب شیخ عبدالحق دہلوی ص۱۷۱-۱۷۲)

[140] قبر شریف کے پاس شور پیدا کرنا یا طویل عرصہ تک رک رک کر شور کا باعث بننا بھی درست نہیں، کیونکہ یہ ادب گاہِ عالَم ہے اور یہاں آوازوں کو پست رکھنا ضروری ہے۔ (الحجرات: ۲) صلوٰۃ و سلام سے فارغ ہو جائیں تو قبلہ رو ہو کر دعائیں مانگیں، نہ کہ قبر شریف کی طرف منہ کر کے۔ (التحقیق والایضاح ص۶۷)

[141] حرمِ مکی کی طرح ہی مسجدِ نبوی سے بھی الٹے پاؤں نکلنا ایک خود ساختہ فعل ہے، جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ (مناسک الحج والعمرہ ص۴۳)

[142] قیامِ مدینہ منورہ کے دوران کسی بھی وقت اقامت گاہ سے وضوء کر کے جائیں اور مسجدِ قبا میں دو رکعتیں پڑھ لیں۔ اسکا پورے عمرہ کے برابر ثواب ہے۔ (ترمذی، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، ابن ابی شیبہ، بیہقی، مسند ابو یعلی، تاریخ کبیر امام بخاری) مسجدِ قبا کی زیارت سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ (صحیح مسلم)

[143] بقیع الغرقد یا جنت البقیع کی زیارت کر سکتے ہیں اور وہاں عام قبرستان کی زیارت والی دعاء کریں اور ان الفاظ کا اضافہ کر دیں:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَھْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ))

"اے اللہ! اس بقیع غرقد کے آسودگانِ خاک کی مغفرت فرمادے۔"

[144] شہداءِ اُحد کی زیارت بھی جائز ہے اور وہاں بھی عام زیارتِ قبور والی دعاء کریں۔

[145] مدینہ منورہ میں جتنا بھی قیام ممکن ہو جائز ہے۔ چالیس نمازیں پوری کرنے کیلئے ہفتہ بھر رکنا کوئی شرط نہیں، کیونکہ اس موضوع کی بیان کی جانے والی مسند احمد و طبرانی اوسط والی روایت ضعیف و نا قابلِ استدلال ہے۔

[146] دورانِ حج اگر کوئی شخص مقصد بنائے بغیر ضمنی طور پر کوئی تجارت یا مز دوری کرنا چاہے تو یہ جائز ہے۔

(البقرہ:۱۹۸،الحج:۳۸،تفسیر ابن کثیر ۲۸۵/۱،بخاری شریف حدیث:۱۷۷) البتہ اس میں غیر قانونی اشیاء غیر قانونی طریقوں سے لانا،ان کا کاروبار کرنا اور کسٹم میں دھوکا دہی کرنا جو کہ عام حالات میں بھی روا نہیں، وہ حج و حُجاج کے لئے بھی جائز نہیں، ان سے بچیں ۔(جدید فقھی مسائل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ص۱۳۰۔۱۳۱)

[147] مکّہ مکرمہ کا اصل تحفہ آبِ زمزم اور مدینہ منورہ کا مبارک ہدیہ عجوہ کھجور ہے، کیونکہ آبِ زمزم ہر غرض و مرض کیلئے مفید ہے۔ (مسند احمد، معجم طبرانی اوسط، ابن ابی شیبہ، بیہقی) یہ کھانے کا کھانا(صحیح مسلم) اور بیماری کی دواء ہے(مسند احمد، طیالسی، بیھقی، معجم طبرانی صغیر و کبیر) لیکن اس میں کفن یا نقدی کو بھگونا خانہ ساز فعل ہے(السنن والمبتدعات ص۱۱۳ وحجۃ النبی ص۱۱۹) اور عجوہ کھجور کے سات دانے صبح کھالیں تو اس دن زہر اور سحر (جادو) اثر نہیں کرتا۔(بخاری و مسلم) یہ شفاء اور زہر کا تریاق ہے(مسلم) یہ جنّت کا پھل ہے۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مسند احمد وابویعلی)

[148] سفر چاہے کتنا ہی آرام دہ کیوں نہ ہو، یہ عذاب کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے، لہٰذا کوئی شخص جب اپنا کام مکمل کر لے تو جلد اپنے اہل و عیال میں لوٹ جائے(بخاری و مسلم) حاجی کا حج سے فارغ ہو کر اپنے اہل و عیال میں جلد لوٹ جانا ہی زیادہ اجر کا باعث ہے۔(دارقطنی، بیھقی، حاکم)

[149] جب واپسی کا سفر اختیار کریں تو سواری پر بیٹھنے، راستے میں قیام کرنے، شہروں کو دیکھنے اونچائی پر چڑھنے اور زیریں جانب اترنے وغیرہ کی دعائیں کرتے آئیں اور جب اپنا شہر نظر آجائے تو یہ دعاء کریں: ((آٓئِبُونَ تَآئِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ)) (بخاری و مسلم) ''ہم تو تائب ہو کر، سجدہ و عبادت گزاری کا عہد کر کے لوٹ آئے ہیں، اور اپنے رب کی تعریفیں کرتے ہیں۔''

[150] اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے ممکن ہو تو مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ لیں۔(بخاری و مسلم) اور پھر یہ دعاء کرتے ہوئے اپنے گھر میں داخل ہو جائیں:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَوْلِجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ ،بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلٰی رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا﴾ (ابوداؤد)

''اے اللہ! میں تجھ سے داخل ہونے، اور نکلنے کی جگہوں کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں، تیرا نام لیکر ہم یہاں سے نکلے تھے اور اے ہمارے رب! تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے۔

☆☆☆

اقسامِ حج

یہاں حج کی مذکورہ تینوں قسموں کو الگ الگ ذرا اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ آپ کو تعیین میں یہ آسانی رہے کہ آپ کون سا حج اختیار کر رہے ہیں۔

حجِ تمتّع:

اقسامِ حج میں سے "حجِ تمتّع" یہ ہوتا ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھیں اور تلبیہ شروع کرنے سے پہلے ایک مرتبہ ((لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ عُمْرَةً)) کہہ لیں۔ اور پھر تلبیہ کہتے جائیں اور مکہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کا طواف کریں، مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس دو رکعتیں نماز پڑھیں، اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے بال کٹوائیں اور احرام کھول دیں۔ اب معمول کا لباس پہن لیں اور معمول کے مطابق زندگی گزاریں، آپ پر احرام کی پابندیوں میں سے کوئی چیز لازم نہیں رہی۔ پھر یومِ ترویہ یعنی آٹھ ذوالحج کو حج کا احرام باندھیں اور مناسکِ حج ادا کریں۔

حجِ قِران:

یہ حج کی دوسری قسم ہے۔ "حجِ قِران" یہ ہوتا ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا جاتا ہے اور مکہ پہنچ کر عمرہ کیا جاتا ہے لیکن طواف اور سعی سے فارغ ہونے کے باوجود حجِ قِران کرنے والا نہ تو احرام کھول سکتا ہے اور نہ ہی اس سے احرام کی پابندیاں زائل ہوں گی بلکہ وہ احرام کی حالت میں ہی رہے گا اور اسی حالت میں یومِ ترویہ (۸/ ذوالحج) کو منیٰ چلا جائے گا اور حج کے تمام مناسک ادا کرنے کے بعد ہی احرام کھولے گا۔

حجِ مفرد:

حج کی تیسری قسم "حجِ مفرد" ہے۔ حجِ مفرد یہ ہوتا ہے کہ میقات سے صرف حج کی نیت کر کے احرام باندھا، مکہ مکرمہ جا کر طوافِ قدوم اور سعی کی مگر احرام نہ کھولا بلکہ اسی طرح سیدھے منیٰ چلے گئے اور تمام مناسک پورے کر کے احرم کھول دیا۔ "حجِ مفرد" کرنے والے حجاج پر قربانی واجب نہیں ہے جبکہ دوسری دونوں قسموں کا حج کرنے والوں پر قربانی واجب ہے۔ یہ تینوں قسمیں ہی تمام ائمہ کرام کے نزدیک صحیح ہیں۔ (دیکھیں: الفتح الربانی : ۱۱/ ۹۵) البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حجِ قِران اور حجِ تمتّع اہلِ حرم اور اہلِ مکہ کے لیے نہیں ہیں۔ ان کا استدلال سورۂ بقرہ کے ان الفاظ سے ہے:

{ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ } [البقرہ: ۱۹۶]

"اور یہ رعایت ان لوگوں کے لیے ہے جن کے گھر مسجدِ حرام کے قریب نہ ہوں۔"

اس آیت سے استدلال یوں کیا گیا ہے کہ اس آیت میں تمتع کرنے کے لیے قربانی واجب قرار دی گئی ہے اور قربانی کی طاقت نہ ہونے کی شکل میں روزے بتائے گئے ہیں، اور یہ رعایت اہلِ حرم کے لیے نہیں ہے لہٰذا حجِ تمتع اہلِ حرم کے لیے نہ ہوا۔ اور چونکہ حجِ قران میں بھی قربانی واجب ہے اور طاقت نہ ہونے کی شکل میں دس روزے ہیں، تین وہاں اور سات واپس وطن لوٹ کر۔ اور یہ رعایت بھی اہلِ حرم کے لیے نہیں ہے تو گویا حجِ قران اور حجِ تمتع اہلِ حرم کے لیے نہ ہوئے۔ ان کا کہنا ہے کہ اہلِ حرم حجِ مفرد کریں اور مفرد ہی عمرہ بھی کریں جبکہ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک اہلِ مکہ وحرم بھی حجِ قران وحجِ تمتع بلا کراہت کر سکتے ہیں اور اس پر کوئی فدیہ اور مضائقہ نہیں ہے۔ (فقہ السنۃ سید سابق: ۱/ ۶۵۹ طبع دارالکتاب العربی، بیروت) حجِ مفرد عام طور پر سعودیہ وحجازِ مقدس کے باشندوں اور خصوصاً اہلِ حرم واہلِ مکہ کے لیے آسان ہے کہ یومِ ترویہ (۸/ ذوالحج) کی صبح کو احرام باندھا۔ عمرہ کرنے کا موقع ملا تو کر لیا ورنہ سیدھے منیٰ چلے گئے اور مناسکِ حج ادا کر لیے۔ اگر پہلے عمرہ نہ کر پایا ہو تو کبھی بعد میں کر لیا۔ اس حجِ مفرد میں قربانی بھی واجب نہیں۔

افضل حج:

حج کی مذکورہ تینوں اقسام میں سے جائز تو تینوں ہی ہیں اور آسان ترین حجِ مفرد مگر افضل ترین قسم "حجِ تمتع" ہے بشرطیکہ کعبہ شریف کی طرف جاتے وقت قربانی کا جانور ساتھ نہ ہو لیکن اگر کوئی شخص قربانی کا جانور ساتھ لایا ہو تو اس کے لیے حجِ قران بہتر ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر قربانی ساتھ لائے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پر قران کیا تھا لیکن اس پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ جو بات مجھے اب معلوم ہوئی ہے اگر اس کا علم پہلے ہو جاتا تو میں اپنے ہمراہ قربانی نہ لاتا اور عمرہ کر کے احرام کھول لیتا اور حجِ تمتع ہی کرتا، جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم اور سنن ابو داود میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَوِاسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ)) [1]

[1] اس حدیث کو بخاری (۷۲۲۹) "کتاب التمنی" مسلم (۸/ ۱۵۴-۱۵۵) ابو داود (۱۷۸۴) ابن خزیمۃ (۲۶۰۶) بیہقی (۵/ ۱۹) اور طیالسی (۱/ ۲۱۸) نے روایت کیا ہے۔ یہی بات جابر، انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی احادیث میں بھی مروی ہے: ۱۔ حدیثِ جابر کو بخاری (۱۵۶۸) اور مسلم (۸/ ۱۶۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ۲۔ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کو بھی بخاری (۱۵۵۸، ۱۶۵۱) اور مسلم (۸/ ۲۳۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ۳۔ حدیثِ ابن عباس مسند احمد (۱/ ۲۵۳، ۲۵۹) میں ہے مگر یہ سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے اور یہ ضعیف ہے۔

"جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی ہے وہ اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا۔" اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قربانی کے جانور بھی نہیں تھے اور انھوں نے حجِ قران کی نیت سے احرام باندھ لیے تھے انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ وہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں اور قران کی نیت کو فسخ کر کے تمتع کی نیت کر لیں۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسے ہی کیا جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَاَطَعْنَا)) [1]

”ہم نے سمع وطاعت کا مظاہرہ کیا اور احرام کھول لیے۔“ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو مشورہ سمجھتے ہوئے اپنے احرام نہیں کھولے تھے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلي الله عليه وسلم لِأَرْبَعٍ مَضَيْنَ أَوْ خَمْسٍ ، فَدَخَلَ عَلَيَّ وَهُوَ غَضْبَانُ ، فَقُلْتُ : مَنْ أَغْضَبَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! أَدْخَلَهُ اللّٰہُ النَّارَ؟ قَالَ : أَوَ شَعَرْتِ ، أَنِّيْ أَمَرْتُ النَّاسَ بِأَمْرٍ فَإِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ، وَلَوْ أَنِّيْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ حَتّٰى حَلَلْتُ كَمَا حَلُّوْا)) [2]

[1]یہ الفاظ مسلم (۸/ ۱۶۳) اور بیہقی (۴/ ۳۳۸) میں ہیں۔ [2] اس حدیث کو مسلم (۸/ ۱۵۴۔ ۱۵۵) اسی طرح ابن خزیمۃ (۲۶۰۶) بیہقی (۵/ ۱۹) طیالسی (۱/ ۲۱۸) اور احمد (۶/ ۱۷۵) نے روایت کیا ہے۔

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار یا پانچ ذوالحج کو تشریف لائے اور بڑے غصے کی حالت میں میرے پاس آئے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے ناراض کیا ہے؟ اللہ اسے آگ میں داخل کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا مگر وہ اس کی تعمیل میں تردّد کر رہے ہیں۔ حالانکہ جو چیز مجھے اب معلوم ہوئی ہے وہ پہلے معلوم ہو جاتی تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا بلکہ یہاں سے خرید تا اور عمرہ کر کے احرام کھول دیتا جیسے دوسرے لوگوں (تمتع کرنے والوں) نے کیا ہے۔“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ”حجِ تمتع“ کی تمنا کرنے اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے انھیں عمرہ کر کے احرام کھول دینے اور حجِ کی ان کی نیت فسخ کر کے حجِ تمتع میں بدل لینے کا حکم دینے کے پیشِ نظر کثیر اہلِ علم نے ”حجِ تمتع“ کو افضل قرار دیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: نیل الأوطار: ۲/ ۳۱۰/۴۔ ۳۱۴، الفتح الرباني: ۱۱/ ۹۵۔ ۹۹)

ویسے بھی آج کل پاک وہند، خلیجی ممالک یا عالَمِ اسلام بلکہ پوری دنیا سے آنے والے عازمینِ حج وعمرہ میں سے شاید ہی کوئی قربانی کا جانور ساتھ لاتا ہو، یہاں تک کہ جو لاسکتے ہیں وہ بھی نہیں لاتے۔ ایسی صورت میں حجِ تمتع ہی افضل ہے اور آسان بھی کہ مکہ مکرمہ پہنچیں، عمرہ کریں اور احرام کھول دیں اور احرام کی تمام پابندیوں سے آزاد ہو کر معمول کی زندگی گزاریں، عباتِ الٰہی میں مشغول رہیں اور پھر یومِ ترویہ (۸/ ذوالحج) کو حج کا احرام باندھیں اور مناسکِ حج پورے کر کے دس ذوالحج کو احرام کھول دیں۔ پھر ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳، ذوالحج) کی رمی سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی آپ کا حج مکمل ہو گیا۔

یہ حج کرنے والے پر بھی قربانی واجب ہے جس کی دلیل یہ ارشادِ الٰہی ہے:

{فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ } [البقرة: ۱۹۶]

"جو شخص حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اٹھائے (حجِ تمتع کرے) وہ حسبِ مقدور قربانی دے اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے زمانے میں اور سات روزے گھر پہنچ کر، اس طرح پورے دس روزے رکھ لے۔ یہ رعایت ان لوگوں کے لیے ہے جن کے اہلِ خانہ مسجدِ حرام کے قریب نہ ہوں۔ اللہ کے ان احکام کی خلاف ورزی سے بچو اور خوب جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

تلبیہ

یہاں تک تو میقات پر پیش آنے والی صورتِ حال کے بارے میں احکام و مسائل مذکور تھے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اپنے مناسبِ حال حج کی کسی ایک قسم کی نیت کریں اور تلبیہ کہنا شروع کر دیں۔ ویسے موجودہ حالات میں زیادہ تر لوگ حجِ تمتع ہی کرتے ہیں اور قربانی کا جانور ساتھ نہ ہونے کی شکل میں افضل بھی یہی ہے، لہٰذا اس کے لیے میقات پر صرف عمرہ کی نیت سے ((لَبَّیْکَ اللّٰهُمَّ عُمْرَةً)) کہیں اور تلبیہ کہنے لگیں۔

مسنون تلبیہ: تلبیہ کے مسنون الفاظ کے بارے میں صحیحین، سنن اربعہ، بیہقی، موطا امام مالک، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلبیہ کہتے ہوئے سنا:

((لَبَّیْکَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ، وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ)) [1]

"میں حاضر ہوں۔ اے میرے رب! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ بے شک ہر قسم کی تعریف اور تمام نعمتیں تیرے ہی لیے ہیں

[1] موطأ (۱/ ۳۳۱) بخاری (۱۵۴۹) مسلم (۸/ ۸۷- ۸۸) ابو داود (۱۸۱۲) ترمذی (۸۲۵، ۸۲۶) نسائی (۵/ ۱۶۰- ۱۶۱) ابن ماجه (۲۹۱۸) حاکم (۱/ ۴۵۰ مختصراً) بیهقی (۵/ ۴۴) احمد (۲/ ۲۸) اسی طرح اس کو دارمی (۲/ ۳۴) ابن الجارود (۴۳۳) ابن خزیمة (۲۶۲۱، ۲۶۲۲) طیالسی (۱/ ۲۱۱) اور ابو یعلی (۵۸۰۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

اور ساری بادشاہی بھی، تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔" یہ الفاظ تمام عازمینِ حج و عمرہ کو خوب یاد کر لینے چاہییں۔ لیکن اگر کسی کو زیادہ بڑھاپے یا کسی وجہ سے یہ الفاظ یاد نہ ہو سکیں تو سنن نسائی، ابن ماجہ، بیہقی اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مختصر سا تلبیہ بھی مروی ہے جس کے صرف یہ تین ہی الفاظ ہیں:

((لَبَّیْکَ إِلٰهَ الْحَقِّ، لَبَّیْکَ)) [1]

"میں حاضر ہوں اے معبودِ برحق! میں حاضر ہوں۔" جبکہ صحیح مسلم، سنن ابو داود اور مسند احمد میں مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مسنون تلبیہ کے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے:

((لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ، وَالْخَیْرُ بِیَدَیْکَ، وَالرَّغْبَاءُ إِلَیْکَ وَالْعَمَلُ)) [2]

"میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ اور ہر قسم کی بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ طلب و سوال تجھ ہی سے کرتا ہوں اور عمل بھی تیرے ہی لیے کرتا ہوں۔" مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ تلبیہ کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کا پڑھنا بھی مسنون ہے:

[1]نسائی (۵/ ۱۶۱)ا بن ماجه (۲۹۲۰) بیهقی (۵/ ۴۵) اور مستدرک حاکم (۱/ ۴۵۰) اسی طرح اس کو ابن خزیمة (۲۶۲۳، ۲۶۲۴) ابن حبان (۹۷۵- موارد) دارقطنی (۲/ ۲۲۵) طیالسی (۱/ ۲۱۱) احمد (۲/ ۳۴۱، ۳۵۲) ابو نعیم نے "حلیة الاولیاء" (۹۰/ ۴۲) میں اور ابن حزم نے بھی "المحلی" (۷/ ۹۴) میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کو ابن خزیمة، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ [2] یہ الفاظ نمبر (۷۷) میں گزرنے والی حدیث ہی میں ہیں اور ان کا ذکر موطا مالک اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔

((لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ)) [1] "اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔"

غرض یہ تمام الفاظ تلبیہ میں شامل ہیں لہٰذا ان سبھی کو زبانی یاد کرنا اور بکثرت پڑھنا چاہیے۔

آدابِ تلبیہ:

مردوں کے لیے تو یہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہے مگر خواتین کو اجازت ہے کہ وہ اپنی آواز کو اس قدر دھیما اور پست رکھیں جسے وہ خود یا صرف ان کی ساتھی خواتین ہی سن سکیں۔ چنانچہ صحیح بخاری اور مسند احمد وطیالسی میں ابو عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا:

((اِنِّیْ لَاَعْلَمُ کَیْفَ کَانَتْ تَلْبِیَةُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلي الله عليه وسلم ثُمَّ سَمِعْتُهَا تُلَبِّیْ بَعْدَ ذٰلِکَ ،لَبَّیْکَ ...)) [2]

"میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ اچھی طرح جانتی ہوں۔ پھر میں نے انھیں یہ تلبیہ ((لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ---)) کہتے ہوئے سنا۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مناسک میں لکھتے ہیں: "

اَلْمَرْأَۃُ تَرْفَعُ صَوْتَهَا بِحَیْثُ تُسْمِعُ رَفِیْقَاتِهَا، و یُسْتَحَبُّ لاِکْثَارُ مِنْهَا عِنْدَ اخْتِلاَفِ لاَحْوَالِ" (بحواله مناسک الحج}

"عورت اسی قدر آواز سے تلبیہ کہے کہ اس کی ساتھی خواتین ہی سن سکیں اور مختلف اوقات وحالات میں بکثرت تلبیہ کہنا مستحب ہے۔"

[1]اس کو احمد (۱/ ۴۱۷) حاکم (۱/ ۴۶۱ ۴۶۲) اسی طرح ابن خزیمة (۲۸۰۶) نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کو ابن خزیمة نے صحیح کہا ہے۔ حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور اس کی سند اسی طرح ہی ہے۔ [2] اس کو بخاری (۱۵۵۰) بیهقی (۵/ ۴۴، ۴۵) طیالسی (۱/ ۲۱۱) احمد (۶/ ۳۲، ۱۰۰، ۱۸۱، ۲۳۰، ۲۴۳ نیز ۲۲۹) اور ابو یعلی (۴۶۷۱) نے روایت کیا ہے۔

فضائلِ تلبیہ:

بلند آواز سے تلبیہ کہنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلند آواز سے تلبیہ کہنے کا حکم دیں۔ اس کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے حتیٰ کہ اسے "شعائرِ حج" میں سے قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ، فَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ! مُرْ اَصْحَابَکَ فَلْیَرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّلْبِیَةِ فَاِنَّهَا مِنْ شَعَائِرِ الْحَجِّ)) [1]

[1]یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو زید بن خالد، ابوہریرہ اور سائب بن خلاد رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے مگر درحقیقت یہ تینوں حدیثیں ایک ہی حدیث ہے کیونکہ ان سب کا مخرج ایک ہی ہے مگر اختلافِ رواۃ کی وجہ سے یہ مختلف حدیثیں بن گئی ہیں: ۱۔ زید بن خالد کی حدیث کو ابن ماجہ (۲۹۲۳) ابن خزیمہ (۲۶۲۸) ابن حبان (۹۷۴) حاکم (۱/ ۴۵۰) بیہقی (۵/ ۴۲) احمد (۵/ ۱۹۲) اور عبد بن حمید نے "المنتخب من المسند" (۲۷۴) میں خلاد بن السائب کے واسطے سے زید بن خالد سے روایت کیا ہے۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے مگر اس کی سند میں "المطلب بن عبداللہ" ہیں اور یہ بہت زیادہ تدلیس کرتے ہیں اور انہوں نے یہاں سماع یا تحدیث کی صراحت بھی نہیں کی ہے۔ ۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو احمد (۲/ ۳۲۵) ابن خزیمۃ (۲۶۳۰) حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند حدیث زید بن خالد والی ہی ہے مگر اس کے ایک راوی اُسامہ بن زید لیثی نے زید بن خالد کی بجائے ابو ہریرہ کہا ہے، نیز اس نے خلاد بن السائب کا واسطہ بھی حذف کر دیا۔ جبکہ پہلی حدیث کو سفیان ثوری بیان کرنے والے ہیں۔ نیز "صحیح ابن خزیمۃ" (۲۶۲۹) میں اور "بیہقی" میں شعبۃ نے بھی اس حدیث کو ثوری ہی کی طرح زید بن خالد ہی سے روایت کیا ہے۔ اور یہ تینوں ثقہ ہیں جبکہ اُسامہ بن زید کو اوہام ہوتے ہیں، لہٰذا ثقات کی مخالفت کی صورت میں اس کی حدیث معتبر نہیں ہے۔)

"میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے صحابہ کو حکم فرمائیں کہ وہ بلند آواز سے تلبیہ کہیں، کیونکہ یہ شعائرِ حج میں سے ایک شعار ہے۔" [1]

اس تلبیہ کی فضیلت کا اندازہ سنن ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، صحیح ابن خزیمہ، بیہقی اور مستدرک حاکم میں مذکور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہو جاتا ہے جس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مَا مِنْ مُلَبٍّ یُلَبِّیْ اِلَّا لَبَّی مَا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَشِمَالِهٖ، مِنْ حَجَرٍ وَشَجَرٍ وَمَدَرٍ، حَتّٰی تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ هَاهُنَا وَهَاهُنَا، عَنْ یَمِیْنِهٖ وَشِمَالِهٖ)) [2]

[1]۳۔ السائب بن خلاد کی حدیث کو مالک (۱/ ۳۳۴) ابو داود (۱۸۱۴) نسائی (۵/ ۱۶۲) ترمذی (۸۲۹) ابن ماجہ (۲۹۲۲) ابن خزیمہ، حاکم اور بیہقی نے خلاد بن السائب کے واسطے سے ان کے باپ السائب بن خلاد سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ترمذی، ابن خزیمۃ، حاکم اور نووی نے بھی "المجموع" (۷/ ۲۲۵) میں اس کو صحیح کہا ہے۔ امام ترمذی نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ بعض نے اس حدیث کو خلاد بن السائب کے واسطے سے خالد بن زید سے روایت کیا ہے مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح وہی حدیث ہے جو خلاد بن السائب نے اپنے باپ السائب بن خلاد سے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے "تلخیص" (۲/ ۲۳۹) میں یہی بات امام بیہقی سے بھی نقل کی ہے، اسی طرح بوصیری نے بھی "مصباح الزجاجۃ" (۱۰۳۱) میں السائب بن خلاد کی حدیث کو ہی محفوظ کہا ہے۔ جبکہ امام حاکم نے ان سب اسانید کو صحیح کہا ہے مگر علاّمہ ذہبی ان کی اس تصحیح پر مطمئن نظر نہیں آتے۔ واضح رہے کہ حدیث السائب بن خلاد میں ((فَاِنَّهٗ مِنْ شَعَائِرِ الْحَجِّ)) کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی (۲۲۸) ابن ماجہ (۲۹۲۱) ابن خزیمۃ (۲۶۳۴) طبرانی نے "الاوسط" (۲۵۸) میں، حاکم (۱/ ۴۵۱) ان سے بیہقی (۵/ ۴۳) اور ابو یعلی(۷۵۴۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن درجہ کی ہے اور ابن خزیمۃ، حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ [2]

’’کوئی تلبیہ کہنے والا تلبیہ کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں والے تمام پتھر، درخت اور مٹی بھی تلبیہ کہنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے دائیں بائیں سے زمین منقطع ہو جاتی (یعنی وہ بھی تلبیہ کہنے لگتی) ہے۔‘‘ شیخ احمد عبد الرحمن البنا رحمہ اللہ بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی میں لکھتے ہیں کہ تلبیہ کہنے والے کے دائیں بائیں سے زمین کے منقطع ہو جانے کا معنٰی یہ ہے کہ اس کے دائیں بائیں سے نہ صرف شجر و حجر تلبیہ کہنے لگتے ہیں بلکہ زمین کے پتھر اور ڈھیلے بھی از مشرق تا مغرب تلبیہ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ بات اس ذکر کی فضیلت اور اس ذکر کے عند اللہ مقام و مرتبہ اور شرف کا پتہ دیتی ہے اور بعید نہیں کہ تلبیہ کہنے والے کے نامۂ اعمال میں ان اشیاء کے تلبیہ کہنے کا ثواب بھی شامل ہو جائے کیونکہ ان چیزوں کے تلبیہ میں شریک ہونے کا سبب تو وہ شخص ہی بنا ہے۔ واللہ اعلم (بلوغ الأماني من أسرار الفتح الرباني: ۱۱/ ۱۸۴) صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ڈھلانوں اور وادیوں کی طرف اترتے اور بلندیوں کی طرف چڑھتے وقت بکثرت تلبیہ کہنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((اَمَّا مُوْسٰی علیه السلام كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ اِذَا انْحَدَرَ فِي الْوَادِيْ يُلَبِّيْ (وفي رواية:) كَاَنِّيْ أَنْظُرُ اِلٰی مُوْسٰی علیه السلام هَابِطًا مِّنَ الثَّنِيَّةِ لَهٗ جُؤَارٌ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی بِالتَّلْبِيَةِ)) [1]

’’میں گویا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ جب کسی وادی میں اترتے ہیں

[1]اس کو بخاری (۱۵۵۵) مسلم (۲/ ۲۲۸، ۲۲۹) ’’الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم‘‘ اور بیہقی (۵/ ۴۲) نے روایت کیا ہے۔ فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موسیٰ علیہ السلام کو مذکورہ حالت میں دیکھنے کا یہ واقعہ کہاں اور کیسے پیش آیا؟ علماء نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ بحالتِ خواب پیش آیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ’’فتح الباری‘‘ (۳/ ۴۱۴، ۴۱۵)

تو تلبیہ کہتے ہیں (اور ایک روایت میں ہے:) میں گویا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں جو کہ ثنیۃ الوداع نامی گھاٹی سے اتر رہے ہیں اور کثرتِ تلبیہ سے قربِ الٰہی حاصل کیے ہوئے ہیں۔‘‘

غرض فرض نمازوں کے بعد اور سحری کے وقت بکثرت تلبیہ کہنا چاہیے۔ صحیح بخاری اور سنن بیہقی میں مذکور ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ احرام باندھنے سے لے کر حدودِ حرم تک یہ تلبیہ کی کثرت جاری رہنی چاہیے۔ چنانچہ حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما اِذَا دَخَلَ اَدْنَی الْحَرَمِ اَمْسَكَ عَنِ التَّلْبِيَةِ، ثُمَّ يَبِيْتُ بِذِیْ طُوًی، ثُمَّ يُصَلِّيْ بِهِ الصُّبْحَ، وَيَغْتَسِلُ، ويُحَدِّثُ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ)) [1]

[1]اس کو بخاری (۱۵۷۳) اور بیہقی (۵/ ۷۱) نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے بعد مؤلف نے ابو داود اور ترمذی کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اسے ابو داود (۱۸۱۷) ترمذی (۹۱۹) اور اسی طرح طبرانی نے بھی ’’المعجم الکبیر‘‘ (۱۱/ ۱۴۹) میں روایت کیا ہے۔ ابو داود میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’عمرہ کرنے والا حجر اسود کے استلام تک تلبیہ کہے۔‘‘ جبکہ ترمذی اور طبرانی میں ہے: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے استلام کے وقت تلبیہ بند کرتے تھے۔‘‘ طبرانی میں یہ اضافہ بھی ہے: ’’اور حج میں قربانی کے دن جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد تلبیہ بند کرتے۔‘‘ مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ہیں اور یہ بہت زیادہ سیئ الحفظ ہیں۔ نیز عبد الملک بن ابی سلیمان اور ہمام نے ان کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے

اس حدیث کو ابن عباس کا قول بیان کیا ہے جیسا کہ امام ابو داود نے کہا ہے۔ طبرانی (۱۱/ ۳۷، ۳۸) میں اس کی ایک دوسری سند بھی ہے مگر یہ سند بھی ضعیف ہے۔ ان دونوں سندوں کی بنا پر اگر ہم اس حدیث کو حسن کہہ لیں تو اس کے مطابق عمرہ کرنے والے کو حجر اسود کے چھونے کے وقت تلبیہ بند کرنا چاہیے اور اکثر اہلِ علم کا یہی قول ہے۔ ملاحظہ ہو: ''جامع ترمذی'' مگر حج میں جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد تلبیہ بند کیا جائے جیسا کہ متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مروی ہے اور ان میں سے بعض احادیث بخاری اور مسلم میں بھی ہیں۔)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حدودِ حرم میں داخل ہوتے تو تلبیہ کہنا بند کر دیتے۔ پھر مقامِ ذی طویٰ میں رات گزارتے، وہیں فجر پڑھتے اور پھر غسل کرتے۔ اور بیان کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کیا کرتے تھے۔''[1]

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ شہر مکہ دیکھ لینے اور حدودِ حرم میں داخل ہونے تک تلبیہ جاری رکھا جائے گا جبکہ سنن ابوداود و ترمذی کی بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ طواف اور حجرِ اسود کے استلام تک تلبیہ جاری رکھا جائے۔ امام ترمذی سے نقل کرتے ہوئے سید سابق نے غالباً ان دونوں قسم کی احادیث کو جمع کرنے کے لیے ہی لکھا ہے کہ جب حاجی کسی میقات سے احرام باندھ کر آرہا ہو تو دخولِ حرم پر تلبیہ کہنا بند کر دے اور اگر تنعیم یا جعرانہ سے احرام باندھا ہو تو جب شہر مکہ میں داخل ہو جائے تو تلبیہ کہنا منقطع کر دے۔ (فقہ السنۃ: ۱/ ۶۶۴، حاشیہ)

[1]ملاحظہ ہو: اس کتاب کی حدیث (۳۱۰) امام ترمذی فرماتے ہیں صحابہ اور صحابہ میں سے بھی اہلِ علم کا یہی قول ہے کہ حاجی کو جمرہ کی رمی کرنے تک تلبیہ بند نہیں کرنا چاہیے۔ شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ ملاحظہ ہو: ''جامع الترمذي، باب ماجاء متیٰ تقطع التلبیة في الحج'' رہی حدیثِ ابن عمر تو اس کے دو جواب ہیں: ۱۔ ابن عمر کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کرتے تھے ممکن ہے۔ اس سے ان کی مراد ذی طویٰ میں رات بسر کرنا اور وہاں صبح کی نماز پڑھنا اور غسل کرنا ہو۔ ۲۔ دوسرے صحابہ کی احادیث میں اضافہ ہے۔ یعنی انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد تلبیہ بند کرتے تھے جس کا ابن عمر کو علم نہ ہوا ہو۔ اس اضافہ کو لینا ضروری ہے کیونکہ یہ ثقات کی طرف سے ہے۔ ملاحظہ ہو: ''محلی ابن حزم'' (۷/ ۱۳۸) حاصلِ کلام: عمرہ کرنے والا حجر اسود کے استلام کے وقت تلبیہ بند کرے مگر حاجی جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد تلبیہ بند کرے گا۔ سید سابق نے حدیثِ ابن عباس اور حدیثِ ابن عمر میں جو تطبیق دی ہے اس میں تکلّف ہے۔ مؤلفِ فقہ السنہ کے کہنے کے مطابق انھوں نے یہ تطبیق امام ترمذی سے نقل کی ہے جبکہ ترمذی نے یہ تطبیق نہیں دی۔

محرّماتِ احرام

جب کسی میقات سے احرام باندھ کر ((لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ)) شروع کیا جائے تو اس وقت سے لے کر احرام کھولنے تک اس کے آداب اور شرعی پابندیوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان پابندیوں کو ''محرّماتِ احرام'' کہا جاتا ہے جو کہ قرآن و سنت کی رو سے درج ذیل ہیں۔

بال کاٹنا یا نوچنا:

احرام کی حالت میں سر یا جسم کے کسی بھی حصے سے بالوں کا کاٹنا، مونڈنا یا نوچنا حرام ہے کیونکہ سورۂ بقرہ میں ارشادِ الٰہی ہے: {وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ} [البقرۃ: ۱۹۶] ''اپنے سر نہ منڈواؤ، یہاں تک کہ قربانی اپنی جگہ پر پہنچ جائے۔''

فدیہ:

اگر کسی بیماری یا دوسرے جائز شرعی عذر کی وجہ سے بال کاٹنے ضروری ہو جائیں تو پھر اس کے بدلے میں فدیہ ادا کرنا ضروری ہو گا جیسا کہ سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت میں ارشادِ الٰہی ہے:

{فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ} [البقرة: ۱۹۶]

"تم میں سے جو شخص (حالتِ احرام میں) بیمار ہو جائے یا کسی کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور اس بنا پر سر منڈوالے) تو اسے چاہیے کہ فدیے کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ کرے یا قربانی دے۔" اس آیت میں فدیے کا ذکر تو موجود ہے مگر اس کی تعیین نہیں کی گئی کہ وہ کتنے روزے رکھے یا کتنا صدقہ کرے؟ اس فدیے کی تعیین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ وہ تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ایک بکرا قربانی کرے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم مَرَّ بِهٖ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ، وَهُوَ مُحْرِمٌ، وَهُوَ يُوْقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ، وَالْقُمَّلُ تَتَهَافَتُ عَلٰى وَجْهِهٖ، فَقَالَ: أَتُؤْذِيْكَ هَوَامُّكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَاحْلِقْ رَأْسَكَ، وَأَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ، وَالْفَرَقُ ثَلَاثَةُ آصُعٍ، أَوْصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوِ انْسُكْ نَسِيْكَةً)) [1]

"حدیبیہ کے مقام پر ان کے پاس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا جبکہ ابھی وہ مکہ میں داخل نہیں ہوئے تھے، وہ احرام باندھے ہوئے تھے اور ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہے تھے تو ان کے (سر سے) جوئیں چہرے پر گر رہی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمھیں یہ جوئیں تکلیف پہنچا رہی ہیں؟

[1] اس سیاق سے یہ حدیث مسلم (۸/ ۱۱۹، ۱۲۰) ترمذی (۹۵۳) اور بیہقی (۵/ ۵۵) میں ہے۔ ایک دوسرے سیاق سے بھی مطول اور مختصر اس حدیث کو بخاری (۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸) ابو داود (۱۸۵۶، ۱۸۶۱) نسائی (۵/ ۱۹۵) ابن ماجہ (۳۰۷۹، ۳۰۸۰) ابن الجارود (۴۵۰) ابن خزیمة (۲۶۷۶) دارقطنی (۲/ ۲۹۸) طیالسی (۱/ ۲۱۳) احمد (۱/ ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴) اور اسی طرح مسلم اور بیہقی (۴/ ۳۴۱، ۵/ ۱۶۹، ۲۱۴، ۲۴۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

انھوں نے عرض کیا: ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا سر منڈوالو اور چھ مسکینوں کو ایک "فرق" کھانے کے لیے بانٹ دو جو کہ تین "صاع" کے برابر ہے یا تین روزے رکھو یا پھر ایک بکرا ذبح کرو۔" بخاری شریف کی ایک روایت میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت: {فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ۔۔۔ الخ} میرے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ایک دوسری روایت میں چھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ذکر یوں آیا ہے:

((اَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ، لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ)) [1]

"یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور ہر مسکین کو نصف صاع اناج دو۔"

بخاری شریف ہی کی ایک اور روایت میں قربانی کی وضاحت یوں آئی ہے:

((أَوْ يُهْدِيْ شَاةً)) [2]" یا ایک بکری ذبح کرے۔

" بکری، بکرا، بھیڑ، مینڈھا اور دنبہ سبھی کا حکم ایک ہے اور تین صاع اناج یا ہر مسکین کو نصف صاع دینا ہے۔ وہ کھجور ہو یا گندم اس میں کوئی فرق نہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث: ((لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ)) کھجور اور گندم میں فرق کرنے والوں کی تردید کرتی ہے۔ (فتح الباري: ۴/ ۱۶)

صاعِ شرعی کا وزن۔ ایک تحقیق:

اب رہی یہ بات کہ فی مسکین نصف صاع کے حساب سے جو تین صاع اناج ہے، اس کا موجودہ پیمانوں کے حساب سے کتنا وزن ہوگا؟ اس سلسلے میں بنیادی بات تو یہ ہے کہ صاع کی دو قسمیں ہیں:

[1] بخاری (۱۸۱۶) اور مسلم (۸/ ۱۲۰، ۱۲۱) وغیرہ [2] بخاری (۱۸۱۷) وغیرہ

1۔ صاعِ مدنی یا حجازی: جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ناپ تول کیا کرتے اور فدیہ و فطرانہ دیا کرتے تھے۔ ائمہ کرام میں سے امام شافعی، احمد بن حنبل اور امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سے امام ابو یوسف اور جمہور علمائے اسلام رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا وزن پانچ رطل اور ایک تہائی رطل ہے۔

2۔ صاعِ عراقی یا حجاجی: امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ اسی صاع سے فدیہ و فطرانہ ادا کرنے کے قائل ہیں۔ اس کا وزن آٹھ رطل ہے۔ اصحابِ سنن میں سے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((صَاعُ النَّبِيِّ صلي الله عليه وسلم خَمْسَةُ أَرْطَالٍ وَثُلُثٍ ، وَصَاعُ أَهْلِ الْكُوْفَةِ ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ)) (ترمذي مع تحفة الأحوذي: ۳/ ۲۶۵۔ مدني)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل ہے اور اہلِ کوفہ کا صاع آٹھ رطل ہے۔"

مذکورہ دونوں قسم کے صاعوں کا یہ وزن تو مسلّم ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ رطل کے وزن کی تعیین میں اہلِ علم باہم مختلف ہیں اور اسی اختلاف کی بنا پر مختلف مکاتبِ فکر کے علماء میں سے بعض کے نزدیک دو سیر، بعض کے نزدیک ڈھائی سیر اور بعض کے نزدیک دو سیر اور گیارہ چھٹانک ہے۔ عموماً کہہ دیا جاتا ہے کہ ایک صاع کا وزن تقریباً پونے تین سیر ہے۔ یہ اختلاف کوئی مسلکی اختلاف نہیں ہے بلکہ ایک ہی مسلک کے علماء نے اپنی اپنی تحقیق سے مختلف اوزان ذکر کیے ہیں۔ مثلاً صرف علماء احناف نے جب نصف صاع گندم کا وزن مقرر کرنے کے لیے تحقیق کی تو برصغیر کے چوٹی کے حنفی عالم مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے ایک سیر پندرہ چھٹانک، مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے پونے دو سیر اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک وزن لکھا ہے۔

(جواہر الفقہ جلد اول، امداد الفتاوی جلد دوم بحوالہ جدید فقہی مسائل از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ص: ۱۲۲)

جب نصف صاع کے وزن میں یہ اختلاف ہے تو ایک صاع میں بھی یقینا اختلاف ہو گا۔ اسی طرح دیگر مکاتبِ فکر کے علماء کے مابین بھی تحقیق کا نتیجہ الگ الگ ہے اور عام طور پر معروف ہے کہ ایک صاع تقریباًپونے تین سیر ہوتا ہے لیکن برصغیر کے ایک معروف عالم شیخ الحدیث مولانا محمد علی صاحب جانباز رحمہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ ابراہیمہ سیالکوٹ) نے "صاعِ شرعی کی تحقیق" کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے کتبِ حدیث و شروح اور فقہ حنفی کی کتب کے حوالے سے صاع شرعی کا وزن متعین کرنے کے لیے چار مختلف طریقے اختیار کیے ہیں:

1۔وزنِ صاع کی تعیین بذریعہ مثقال۔2۔وزنِ صاع کی تعیین بذریعہ مد۔

3۔وزنِ صاع کی تعیین بذریعہ درہم۔4۔وزنِ صاع کی تعیین بذریعہ استار۔

اور ان چاروں ہی طریقوں سے ثابت کیا ہے کہ صاعِ شرعی کا وزن پورے دو سیر اور چار چھٹانک ہے اور صاعِ عراقی تین سیر اور چھ چھٹانک ہے۔ ہر دو میں لفظ "تقریباً" کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

(ہفت روزہ "الاسلام" لاہور، جلد: ۱۲، شمارہ: ۱، بابت جون ۱۹۸۵ء)

یہ تحقیق وزن کے پرانے سیروں والے نظام کے مطابق ہے جبکہ موجودہ اعشاری نظام میں ایک کلو تقریباً سترہ چھٹانک کے برابر ہوتا ہے۔ صاعِ شرعی کے وزن کی تفصیل علامہ عبدالرحمن مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی (۳/ ۲۶۶۔۲۶۷) میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

الغرض بال کٹوانے کے فدیہ کے تین صاع پونے سات سیر یا تقریباً سوا چھ کلو کھجوریں یا گندم بنتی ہے جو کسی ایک ہی مسکین کو بھی دی جاسکتی ہے اور اگر چھ مسکینوں پر تقسیم کر دی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

1۔ناخن کاٹنا:

مرد و زن کا احرام کی حالت میں ناخن کاٹنا۔

2۔سلے ہوئے کپڑے پہننا:

مردوں کا سلے ہوئے کپڑے شلوار قمیص، پینٹ، شرٹ، پاجامہ، کرتا، انڈرویئر یا نیکر پہننا۔

3۔ جرابیں پہننا:

مردوں کا پاؤں میں ایسی جرابیں یا موزے پہننا جن سے ٹخنے ڈھک جائیں۔

4۔ سر ڈھانپنا:

مردوں کا سر پر ٹوپی پہننا، رومال یا پگڑی باندھنا۔

5۔ خوشبو لگانا:

خواتین اور مرد حجاج کا خوشبو لگانا یا خوشبو والا کپڑا پہننا۔

یہ سب امور بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات کی رو سے حرام ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم، سنن ابی داود ونسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

((مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ ؟))

"احرام باندھنے والا کون سے کپڑے پہنے ؟"

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ ، وَلَا الْبَرَانِسَ ، وَلَا الْخِفَافَ إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَيَلْبَسُ خُفَّيْنِ ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ ، وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا وَرْسٌ)) [1]

"نہ قمیص پہنو نہ پگڑیاں باندھو، نہ شلواریں پہنو، نہ سر پر ٹوپی پہنو، نہ موزے پہنو۔ ہاں اگر کسی کے پاس جوتا نہ ہو تو وہ موزے پہن لے مگر انہیں ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے اور کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جسے زعفران یا ورس (خوشبو) لگی ہوئی ہو۔" اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس جوتا نہ ہو تو وہ موزے پہن لے البتہ انھیں ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے۔ جبکہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ میدانِ عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ نَعْلَيْنِ ، لَبِسَ خُفَّيْنِ ، وَإِذَا لَمْ يَجِدْ إِزَارًا لَبِسَ سَرَاوِيْلَ)) [2]

"اگر محرم جوتا نہ پائے تو موزے پہن لے اور اگر تہبند والی چادر نہ پائے تو شلوار پہن لے۔"

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند کے قائم مقام چادر (ازار) نہ ملنے کی صورت میں شلوار پہن لینے کی بھی اجازت فرمادی ہے اور جوتے نہ ہونے کی صورت

[1]اس حدیث کو امام مالک نے موطا (۱/ ۳۲۴) میں نافع کے واسطے سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور مالک کے طریق سے اس کو بخاری (۱۵۴۲) مسلم (۲/ ۷۳) ابو داود (۱۸۲۴) نسائی (۵/ ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴) دارمی (۲/ ۳۲) ابن ماجہ (۲۹۲۹) بیہقی (۵/ ۴۹) شافعی نے ''مسند'' (۱۱۷، ۱۱۸) میں، احمد (۲/ ۶۳) اور ابو یعلی (۵۸۰۵) نے روایت کیا ہے۔ بخاری اور مسلم وغیرہ میں اس کے دوسرے طرق بھی موجود ہیں۔ [2] اس کو بخاری (۱۸۴۱، ۱۸۴۳) ''جزاء الصید'' مسلم ابو داود، ترمذی (۸۳۴) نسائی، ابن ماجہ، دارمی (۲/ ۳۲) ابن الجارود (۴۱۷) اور بیہقی (۵/ ۵۰) نے روایت کیا ہے۔

میں موزے پہننے کی رخصت دی اور انھیں ٹخنوں سے نیچے تک کاٹنے کا حکم بھی نہیں فرمایا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے کاٹنے کا حکم تھا مگر بعد میں میدانِ عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کاٹنے کی بھی رخصت فرمادی تھی، اور اہلِ علم کے اس سلسلہ میں دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہی رخصت والا ہے۔

(بحوالہ مناسک الحج والعمرۃ ، ص: ۱۲حاشیہ)

نیز اس پر بھی تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ احرام کی حالت میں ناخنوں کا خود کاٹنا تو حرام ہے ہاں اگر کوئی ناخن خود بخود ٹوٹ جائے تو اس کو الگ کر کے اسے پھینک دینا جائز ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۳/ ۲۸۸، ۲۸۹، طبع مصر بتحقیق محمد خلیل ہراس)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی مذکورہ حدیث میں زعفران اور ورس والے کپڑوں کو پہننے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ خوشبودار چیزیں ہیں۔ ایسے ہی خوشبو لگانے کی بھی ممانعت ہے جس پر مذکورہ حدیث کے علاوہ ایک اور حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو کہ صحیح بخاری و مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میدانِ عرفات میں ایک آدمی اونٹنی سے گرا اور فوت ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ ، وَكَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْهِ، وَلَا تَمُسُّوْهُ بِطِيْبٍ ، وَلَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهٗ فَإِنَّهٗ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّياً)) [1]

''اسے اس پانی سے غسل دو جس میں بیری کے پتے ڈالے گئے ہوں اور

[1]اس حدیث کو بخاری (۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱) ''الجنائز'' اور ''جزاء الصید'' مسلم (۸/ ۱۲۶، ۱۳۰) ''الحج'' ابو داود (۳۲۳۸ ۳۲۴۱) ''الجنائز'' ترمذی (۹۵۱) ''الحج'' نسائی (۴/ ۳۹، ۵/ ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۹۵، ۱۹۶) ''الجنائز والحج'' ابن ماجہ (۳۰۸۴، ۳۰۸۵) ''المناسک'' دارمی (۲/ ۵۰) ''الحج''، ابن الجارود (۵۰۶، ۵۰۷) دارقطنی (۲/ ۲۹۵، ۲۹۷) بیہقی (۳/ ۳۹۰، ۳۹۳، ۵/ ۵۳، ۵۴، ۷۰) اور احمد (۱/ ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۶۶، ۲۸۶، ۳۲۸، ۳۳۳، ۳۴۶) نے روایت کیا ہے۔

اسے اس کے (احرام والے) دونوں کپڑوں میں ہی کفن دے دو اور اس کے بدن کو خوشبو نہ لگاؤ کیونکہ یہ قیامت کے روز تلبیہ ((لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ)) کہتا ہوا اٹھایا جائے گا۔'' ایک اور روایت میں ((وَلَا تَمُسُّوْهُ بِطِيْبٍ)) کی بجائے ((وَلَا تُحَنِّطُوْهُ)) کے الفاظ ہیں لیکن معنی

دونوں الفاظ کا ایک ہی بنتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب احرام کی حالت میں مر جانے والے کو بھی خوشبو لگانے کی ممانعت ہے تو زندہ کو خوشبو کا استعمال بالاولیٰ منع ہوگا۔ اس حدیث میں مرد و زن سبھی شامل ہیں۔ نیز صحیح بخاری میں تعلیقاً اور سنن بیہقی میں موصولاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((لَا تَلْبَسُ الْمُحْرِمَةُ ثَوْباً بِوَرْسٍ أَوْ زَعْفَرَانَ)) [1]

"احرام والی عورت ورس یا زعفران لگا کوئی کپڑا نہ پہنے۔"

6۔ دستانے پہننا:

عورتوں کا دستانے پہننا۔

7۔ نقاب باندھنا:

اسی طرح ان کا منہ پر نقاب باندھنا بھی منع ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری، سنن ابو داود، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں:

((لَا تَنْتَقِبُ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ، وَلَا تَلبَسُ الْقُفَّازَيْنِ)) [2]

[1] بخاری (۴/ ۵۲ الفتح) بیہقی (۵/ ۴۷) [2] بخاری (۱۸۳۸) ابو داود (۱۸۲۵، ۱۸۲۶) ترمذی (۸۳۳) نسائی (۵/ ۱۳۵ ۱۳۶) مسند احمد (۲/ ۱۹، ۳۲) اسی طرح اس حدیث کو ابن خزیمۃ (۲۵۹۹، ۲۶۰۰) اور بیہقی (۵/ ۴۶) نے بھی روایت کیا ہے۔

"احرام والی عورت منہ پر نقاب باندھے اور نہ ہی دستانے پہنے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "نقاب" وہ دوپٹہ (کپڑا) ہے جو چہرے پر باندھا جاتا ہے اور بظاہر یہ عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ البتہ دستانے میں مرد بھی عورتوں کے ساتھ شامل ہیں کیونکہ یہ موزوں کی طرح ہی ہیں اور یہ دونوں ہی جسم کے ایک حصہ کو ڈھانپ لیتے ہیں لیکن نقاب احرام کی حالت میں مردوں کے لیے حرام نہیں ہے کیونکہ راجح قول کے مطابق مرد کو (سردی یا کسی وجہ سے) اپنا چہرہ ڈھانپنے کی ممانعت نہیں ہے۔ (فتح الباري: ۴/ ۵۳، ۵۴)

پردہ:

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ احرام کی حالت میں بھی پردے کا اہتمام ضروری ہے جبکہ اکثر خواتین کی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی اور وہ احرام باندھنے سے لے کر احرام کھولنے تک اپنے پرائے محرم غیر محرم کسی سے بھی پردہ نہیں کرتیں۔ عام حالات میں تو یہ صورتِ حال لائقِ

افسوس ہے مگر احرام کی حالت میں لائقِ صد افسوس!! اللہ کے گھر پہنچنے کی سعادت اور حرمین شریفین کی زیارت کو پہنچنے والی خواتین کو تو اس جانب خاص توجہ دینی چاہیے، کیونکہ ان کا یہ فعل اسلام کے مزاج سے قطعاً کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

اس سستی کا سبب:

احرام کی حالت میں خواتین کے پردے کے بارے میں سُستی برتنے کا سبب دراصل یہ غلط فہمی ہے کہ احرام والی عورت کو "نقاب" باندھنے سے منع کیا گیا ہے نہ کہ نقاب ڈالنے یا لٹکانے سے اور کچھ ایسا ہی معاملہ بعض روایات میں مذکور لفظ "برقع" سے بھی ہوتا ہے، لہٰذا اس کی تھوڑی سی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

غلط فہمی کی وجہ دراصل ان دونوں لفظوں کے عربی اور اردو میں مفہوم و مدلول کا فرق یا عدم فرق ہے۔ ہم عربی اور اردو دونوں میں ہی ان الفاظ کا مفہوم ایک سمجھ لیتے ہیں جس کے نتیجے میں مذکورہ صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خواتین جو ویسے ہی پردے سے بیزار ہوتی ہیں انھیں جب حج و عمرہ کی سعادت نصیب ہو تو وہاں یہ مسئلہ ان کے ہاتھ آ جاتا ہے کہ احرام کی حالت میں نقاب اور برقع منع ہیں جبکہ حقیقت قطعاً اس سے مختلف ہے۔

لغوی تشریح:

عربی زبان کی بیس جلدوں پر مشتمل ایک عظیم و ضخیم ڈکشنری "لسان العرب" ہے، اس میں ان الفاظ کا لغوی معنٰی دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی جلد دوم (ص: ۲۶۵، ۲۶۶) میں ان الفاظ پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ اس کتاب کے مؤلف علامہ ابن المنظور افریقی لکھتے ہیں: "نقاب" سے مراد اوڑھنی کا وہ حصہ ہے جو ناک کے بانسے پر پڑتا ہے اور اس کی کئی اشکال ہیں:

1۔ اگر عورت اپنے نقاب کو صرف آنکھوں تک ہی گرائے تو وہ "وصوصہ" یا "برقع" ہے۔

2۔ اگر آنکھوں کے گڑھوں کی نچلی سطح تک گرائے تو وہ "نقاب" ہے۔

3۔ اور اگر ناک تک ہو تو وہ "لکفام" کہلاتا ہے۔ اسے نقاب اس لیے کہا گیا ہے کہ اپنے رنگ سے عورت کے (چہرے کے) رنگ کو چھپا دیتا ہے۔" (**مختصراً از لسان العرب: ۲/ ۲۶۵، ۲۶۶ ومناسک الحج والعمرۃ للألباني، ص: ۱۱، عربی، و اُردو مترجم از راقم الحروف، ص: ۴۶، ۴۷**)

اس مختصر سی لغوی تشریح سے معلوم ہوا کہ ہم جسے برقع یا نقاب کہتے ہیں اس کا بعینہٖ وہ مفہوم و مدلول عربی میں مراد نہیں ہے بلکہ ہر دو زبانوں میں خاصا فرق ہے۔

ڈھاٹے کی ممانعت:

احادیث میں بظاہر نقاب اور برقع چہرے پر باندھنے سے منع کیا گیا ہے نہ کہ لٹکانے سے۔ اور باندھنے سے مراد وہ" ڈھاٹا"سا ہے جیسا کہ عموماً خواتین نقاب سے بناتی ہیں اور اسے اپنے چہرے پر اس انداز سے باندھ لیتی ہیں کہ نقاب کو لٹکتا چھوڑنے کی بجائے اسے پکڑ کر منہ پر کچھ اس طرح کس کر باندھ لیتی ہیں کہ وہ ناک اور رخساروں کو چھپالیتا ہے اور آنکھیں اور پیشانی کا کچھ حصہ ننگا رہ جاتا ہے۔ ایسا نقاب باندھنا منع ہے۔ اگر چادر یا دوپٹے کو سر سے کچھ اس طرح گرایا جائے کہ وہ پردے کا کام دے تو وہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر ہمارے یہاں کے مروجہ برقع کے نقاب والے کپڑے کو سر پر ڈال کر ٹھوڑی کے نیچے لیجا کر نہ باندھا جائے بلکہ پیشانی سے باندھنے والی ڈوریاں کانوں کے اوپر سے گزار کر بالوں کی چوٹی کے نیچے لے جا کر باندھ دے تو وہ نقاب نہ تو منہ پر بندھا ہوگا اور نہ ہی گرنے پائے گا اور نقاب کا کپڑا سر سے چہرے پر گرا دیا جائے تو پردہ بھی ہوگا اور حدیث میں جس چیز کی ممانعت آئی ہے اس کا ارتکاب بھی نہ ہوگا۔

احرام کی حالت میں بھی پردے کے اہتمام کا ثبوت صحیح احادیث میں موجود ہے جیسا کہ ایک حدیث گزر بھی چکی ہے جو کہ سنن ابو داود و سنن ابن ماجہ میں مروی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا، وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم مُحْرِمَاتٌ، فَإِذَا جَاوَزُوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَىٰ وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْا كَشَفْنَاهُ)) [1]

"سوار لوگ ہمارے پاس سے گزرتے جبکہ ہم احرام باندھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوتیں۔ جب وہ ہمارے پاس سے گزرنے لگتے تو ہم سر سے کپڑا کھینچ کر چہرے پر ڈال لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو چہرے کھول لیتیں۔"

ایسے ہی صحیح بخاری میں تعلیقاً و مختصراً اور سنن بیہقی میں موصولاً و مطوّلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ مذکور ہے۔ اس سے بھی جہاں پردے کے اہتمام کا پتہ چلتا ہے وہیں نقاب و برقع کی اصل حقیقت کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ پردے میں مانع نہیں ہیں۔

چنانچہ وہ فرماتی ہیں:

((اَلْمُحْرِمَةُ تَلْبَسُ مِنَ الثِّيَابِ مَا شَآءَتْ إِلَّا ثَوْباً مَسَّهُ وَرَسٌ أَوْ زَعْفَرَانٌ، وَلَا تَبَرْقَعُ وَتُلَثِّمُ، وَتُسْدِلُ الثَّوْبَ عَلَىٰ وَجْهِهَا، إِنْ شَآءَتْ)) [1]

"احرام والی عورت جو کپڑا چاہے پہنے سوائے ورس اور زعفران والے (خوشبودار) کپڑوں کے، اور برقع وڈھاٹا نہ باندھے اور وہ چاہے تو اپنے چہرے پر کوئی کپڑا لٹکالے۔"

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احرام والی عورت چہرے پر کپڑے کو نہ باندھے بلکہ صرف سر کی طرف سے لٹکا دے۔ پھر صحیح قول کی رو سے بیشک وہ کپڑا اس کے چہرے کو چھوتا رہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(بحوالہ مناسک الحج والعمرۃ، ص: ۱۲، و مجموع فتاوی ابن تیمیۃ: ۲۶/ ۱۱۲)

یاد رہے کہ مذکورہ حدیثِ اول میں ام المومنین رضی اللہ عنہانے جو فرمایاہے کہ جب دوسرے لوگ ہمارے پاس سے گزرنے لگتے توہم سر کا کپڑا گرا کر پردہ کر لیتیں۔ اس سے معلوم ہوتاہے کہ اس وقت تک تولوگوں کی کثرت کے نہ ہونے کی وجہ سے اس بات کی گنجائش تھی کہ جب دوسرے لوگ نہ ہوں تو چہرے ننگے کر لیے جائیں مگر آج کل حجاج کرام کی کثرت کا یہ عالَم ہوتاہے کہ اگر پردہ کرناہے تو پھر مناسکِ حج کے دوران اپنے گھر یا خیمے کے علاوہ کہیں بھی چہرہ ننگا کرنے کی گنجائش ہی نہیں نکل پاتی۔

یہ خواتین۔۔۔!

مگر اس کا کیا کیجیے کہ اس مقدس سفر اور ان دیارِ مقدسہ میں بھی خواتین بڑی بے باکی سے بے پردہ ہوکر حرم شریف میں آتی جاتی ہیں حالانکہ اس میں مذکورہ بالا غلط فہمی کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ یہ عورتیں احرام میں نہیں ہوتیں بلکہ محض ذکر وعبادت کے ارادہ سے حرم شریف (مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ) میں آتی ہیں۔ بظاہر اِن میں ایسی خواتین کی اکثریت ہوتی ہے جن کے شوہر یا دوسرے اقارب سعودیہ یا دیگر عرب ریاستوں میں کام کرتے ہیں اور وہ ان کے ساتھ ہی رہ رہی ہوتی ہیں۔ ایسی تمام خواتین کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے باوقار اور باپردہ طریقہ سے فریضۂ حج وعمرہ ادا کرنا چاہیے۔

فقہ حنفی کی روشنی میں:

دورانِ احرام پردے کا اہتمام کرنے کے بارے میں فقہ حنفیہ میں بھی تصریحات موجود ہیں۔ مثلاً صاحبِ مجمع الانہر نے حج کے موقع پر عورتوں کے احوال کے ضمن میں لکھاہے کہ بحالتِ احرام شرح الطحاوی کی روسے اولیٰ یہ ہے کہ عورت اپنا چہرہ ننگا رکھے لیکن النہایۃ میں ہے کہ سر سے چہرے پر کپڑا لٹکا کر پردہ کر لیناہی زیادہ ضروری (اَوجب) ہے۔ یہ مسئلہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت بلاضرورت غیر مردوں کے سامنے (کہیں بھی) اپنا چہرہ ننگا نہ کرے۔ اور المجمع کے حاشیہ "درر المنتقیٰ" میں ہے کہ بحالتِ احرام اگر کسی کپڑے وغیرہ کو سر سے لٹکا کر پردہ کرے جبکہ وہ کپڑا چہرہ سے الگ رہے تو یہ جائز بلکہ مندوب بلکہ ایک قول کی روسے یہی واجب ہے۔

علامہ ابن قیّم رحمہ اللہ کا موقف:

یہ تو ہوئیں کتبِ فقہ حنفیہ کی تصریحات! اس کے ساتھ ہی یہاں ہم یاد دلادیں کہ حالتِ احرام میں کسی لکڑی وغیرہ سے بنی کسی چیز کو چہرے پر محض اس لیے رکھنا کہ پردے کا کپڑا الگ رہے، اس کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق امہات المؤمنین اور دیگر صحابیات رضی اللہ عنہن میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں کہ وہ چہرے پر کپڑے کے نیچے کوئی چیز رکھتی تھیں اور یہ بات ناممکنات میں سے ہے کہ ایسا کرنا تواحرام کا شعار ہو اور یہ ہر خاص وعام میں مشہور ومعروف نہ ہو۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: بدائع الفوائد: ۲/ ۳/ ۱۴۲)

نکاح اور منگنی کرنا:

احرام کی حالت میں کسی کا نکاح کرنا، اپنا نکاح کروانا یا پیغامِ نکاح دینا بھی منع ہے کیونکہ صحیح مسلم شریف اور سنن اربعہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لاَ يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ ، وَلاَ يُنْكِحُ ، وَلاَ يَخْطُبُ)) [1]

"احرام والا نہ اپنا نکاح کرے نہ کسی کا نکاح پڑھے اور نہ ہی کسی کو پیغامِ نکاح دے۔ (نہ منگنی کرے)"

[1]اس حدیث کو مالک (۱/ ۳۴۸) اور مالک سے مسلم (۹/ ۱۹۳) "النکاح" ابو داود (۱۸۴۱) "الحج" نسائی (۵/ ۱۹۲) "الحج" ابن الجارود (۴۴۴) دارقطنی (۲/ ۲۶۶، ۲۶۷) "الحج" ابن خزیمۃ (۲۶۴۹) بیہقی (۵/ ۶۵) اور احمد (۱/ ۵۷، ۷۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کو ترمذی (۸۴۰) "الحج" دارمی (۲/ ۳۸) "الحج" طیالسی (۱/ ۲۱۳) اسی طرح احمد (۱/ ۴۶، ۶۸) مسلم، ابو داود اور بیہقی نے دوسرے طریق سے روایت کیا ہے۔

جنگلی جانوروں کا شکار کرنا:

احرام کی حالت میں جنگلی جانوروں کا شکار کرنا بھی منع ہے کیونکہ قرآنِ کریم میں ارشادِ الٰہی ہے:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ } [المائدة: ۹۵]

"اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو۔"

نیز اس سے اگلی آیت میں ارشادِ الٰہی ہے:

{وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا} [المائدة: ۹۶]

"احرام کی حالت میں خشکی کا شکار کرنا تمھارے لیے حرام کیا گیا ہے۔"

حالتِ احرام میں شکار کرنا تو درکنار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شکار کرنے والے کے ساتھ تعاون کرنے، شکار کا پتہ بتانے اور اس کی طرف اشارہ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں مذکور صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو قتادۃ رضی اللہ عنہ کو پیش آنے والے واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مُحرم خود شکار کرے نہ خاص اسی کے لیے یہ شکار کیا گیا ہو، نہ وہ شکاری کے ساتھ تعاون کرے اور نہ ہی شکار کی طرف اشارہ کرے، تو ایسے جانور کو اگر کوئی غیر محرم شکار کر لے اور وہ محرم کو ہدیہ دے تو محرم بھی اس کا گوشت کھا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو قتادۃ رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی نکلے مگر اپنے بعض ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے جبکہ وہ احرام باندھے ہوئے تھے اور میں احرام میں نہیں تھا۔ ان کے ساتھیوں نے ان سے پہلے ایک جنگلی گدھا دیکھا مگر (احرام میں ہونے کی وجہ سے) انھوں نے اسے جانے دیا، یہاں تک کہ حضرت ابو قتادۃ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا۔ وہ اپنے

گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے میرا کوڑا پکڑائیں۔ انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تب وہ گھوڑے سے اترے، خود کوڑا پکڑا اور شکار کے پیچھے لگ کر اس پر حملہ کر دیا اور اس کی کھونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر اسے خود بھی پکا کر کھایا اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی کھایا مگر بعد میں پشیمان ہو گئے۔ (کہ ہمارے لیے اس کا گوشت کھانا جائز تھا یا نہیں؟) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

((أَمِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا؟))

"کیا تم میں سے کسی نے اس شکار پر حملہ کرنے کے لیے انھیں کہا یا شکار کی طرف اشارہ کیا تھا؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: نہیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا))

"اس کے باقی ماندہ گوشت کو بھی تم کھالو۔"

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

((هَلْ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ؟))

"کیا اس کا کچھ گوشت ابھی تمھارے پاس موجود ہے؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمارے پاس اس کی ٹانگ باقی ہے۔

((فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صلي الله عليه وسلم فَأَكَلَهَا)) [1]

"تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا گوشت کھایا۔"

[1] اس کو مالک (۱/ ۳۵۰) بخاری (۱۸۲۱، ۱۸۲۴) مسلم (۸/ ۱۰۷) ابو داود (۱۸۵۲) نسائی (۵/ ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۷) ترمذی (۸۴۷، ۸۴۸) ابن ماجہ (۳۰۹۳) دارمی (۲/ ۳۸، ۳۹) ابن الجارود (۴۳۵) اور بیہقی (۵/ ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰) نے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔

فدیہ:

اگر کسی سے احرام کی حالت میں کسی جنگلی جانور کے شکار کا فعل سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ فدیہ مقرر فرمایا ہے کہ جیسا جانور شکار کرے ویسا ہی پالتو جانور مکہ میں ذبح کر کے مسکینوں میں تقسیم کرے یا اس کی قیمت کے برابر مسکینوں کو کھانا کھلائے یا اتنے روزے رکھے۔ چنانچہ سورہ مائدہ (آیت: ۹۵) میں ارشادِ الٰہی ہے:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ}

"اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور اگر تم میں سے کوئی شخص جان بوجھ کر ایسا کرے گا تو جو جانور اس نے شکار کیا ہو اسی کے ہم پلہ ایک جانور اسے مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔ اور یہ فدیہ کعبہ پہنچایا جائے گا یا پھر اس گناہ کے کفارہ میں مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تا کہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اسے اللہ نے معاف کیا لیکن اب اگر کسی نے اس حرکت کا اعادہ کیا تو اس سے اللہ بدلہ لے گا اور اللہ سب پر غالب ہے اور وہ بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بڑی تفصیل ذکر فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عمداً، خطاً، سہواً شتر مرغ شکار کرے تو کفارے میں اونٹ دے۔ جنگلی گائے کے بدلے میں پالتو گائے فدیہ دے۔ ہرن شکار کرے تو بکری ذبح کرے اور جسے ہم پلہ جانور نہ ملے تو ایسے جانور کی وہ قیمت دے جسے دو عادل مسلمان طے کریں۔ پھر اس قیمت سے غلہ خرید کر نصف صاع فی مسکین کے حساب سے تقسیم کر دے یا پھر اس کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں اس قیمت کے جتنے صاع غلہ بنتا ہے اس میں سے ہر ایک صاع کے عوض ایک روزہ رکھے۔ جبکہ صاع کی تحقیق ذکر کی جا چکی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، اردو: ۲/۲۲-۲۷) بجو کے شکار کے فدیہ کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کا کفارہ ایک مینڈھا ہے۔ چنانچہ سنن اربعہ، بیہقی، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے شکار (کے فدیہ) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هُوَ صَيْدٌ، وَيُجْعَلُ فِيْهِ كَبْشًا إِذَا أَصَابَهُ الْمُحْرِمُ)) [1]

"وہ شکار ہے اور اگر احرام کی حالت میں کوئی اسے شکار کرے تو اس کا فدیہ ایک مینڈھا ہے۔" ایسے ہی بعض موقوف روایات میں بعض جانوروں کے شکار پر یہ ذکر آیا ہے۔ مثلاً موطا امام مالک، مسند امام شافعی، سنن بیہقی اور مشکل الآثار طحاوی میں ہے کہ

[1] ابو داود (۳۸۰۱) "الأطعمة" ترمذی (۸۵۱) "الحج" نسائی (۵/ ۱۹۱، ۷/ ۳۰۰) "الحج والصید"، ابن ماجه (۳۰۸۵، ۳۲۳۶) "الحج والصید" ابن حبان (۹۷۹) حاکم (۱/ ۴۵۲، ۴۵۳) بیهقی (۵/ ۱۸۳، ۹/ ۳۱۸) اسی طرح اس حدیث کو دارمی (۲/ ۷۴) ابن الجارود (۴۳۹) ابن خزیمة (۲۶۴۶) دارقطنی (۲/ ۲۴۶) احمد (۳/ ۳۱۸) اور ابو یعلی (۲۱۲۷، ۲۱۵۹) نے بھی روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو ترمذی، ابن خزیمة، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ امام بخاری (جیسا کہ امام ترمذی نے ان سے نقل کیا ہے) اور عبدالحق اشبیلی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اور امام بیهقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث جید ہے اور اس سے حجت قائم ہو جاتی ہے۔

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے ہرن کے شکار پر بکری، خرگوش کے شکار پر بکری کا ایک سال سے چھوٹا بچہ اور جربوع (چوہے کی مانند ایک جانور) پر بکری کا وہ بچہ جو چار ماہ کا ہو جائے، فدیہ قرار دیا ہے۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سنن بیہقی کی روایت میں جنگلی گدھے کے شکار پر گائے کا فدیہ قرار دیا ہے۔[2]

مسند شافعی کی حسن درجہ کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبوتر کا فدیہ بکری قرار دیا۔[3]

امام شافعی ہی کی ایک روایت میں امام عطاء اور شریح رحمہ اللہ سے لومڑی پر بھی بکری کا فدیہ نقل کیا گیا ہے۔[4]

اور انھی کی ایک روایت میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے گوہ پر بکری کا ایک سال کا بچہ فدیہ قرار دیا۔[5]

شکار میں اشتراک:

اگر کچھ لوگ ایک جانور کے شکار میں شریک ہوں تو ان سب پر اس شکار کے ہم پلہ صرف ایک جانور کا فدیہ ہے جسے وہ اشتراک سے خرید کر دے سکتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی کے الفاظ: {فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ} کے ظاہر مفہوم اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک فیصلہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔(فقہ السنۃ: ۱/ ۶۸۶،۶۸۷)

[1]ان آثار کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "التلخیص الحبیر" (۱/ ۲/ ۲۸۱، ۲۸۸) میں ذکر کیا ہے۔ [مؤلف] [2] حوالہ سابقہ أیضاً [3] حوالہ سابقہ أیضاً [4] حوالہ سابقہ أیضاً [5] حوالہ سابقہ أیضاً

حرم کے درخت اور گھاس کاٹنا:

حدودِ حرم کے اندر اُگے ہوئے درخت، گھاس اور نباتات کاٹنا ہر حال میں منع ہے، چاہے کوئی احرام کی حالت میں ہو یا بغیر احرام کے۔ البتہ اذخر نامی گھاس، خود اگائی ہوئی سبزیاں اور سوکھے ہوئے درخت یا گھاس کاٹنا اس حکم سے خارج ہے۔

(المغني: ۳/ ۳۱۵، ۳۱۶)

حدودِ حرم میں شکار کرنا:

حدودِ حرم میں احرام کی حالت میں یا معمول کے لباس میں ہر حالت میں شکار کرنا اور جانوروں کو بھگانا منع ہے البتہ پالتو جانوروں مثلاً مرغی اور بکری وغیرہ کو ذبح کر سکتا ہے اور اس کا گوشت بھی کھا سکتا ہے۔

گری پڑی چیزیں اٹھانا:

حدودِ حرم میں گری پڑی چیزوں کا اٹھانا بھی منع ہے۔ ہاں اس شخص کو اجازت ہے جو ایسی اشیاء کے لیے بنائے گئے مخصوص سرکاری ادارہ "دار المفقودات" میں جمع کرانے اور اعلان کرانے کی غرض سے اٹھائے۔ مذکورہ بالا تینوں امور کا تعلق احرام سے نہیں بلکہ حرم سے ہے۔ وہ حرمِ مکی ہو یا حرمِ مدنی۔ اور ان کی ممانعت کا ثبوت صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے جس میں مذکور ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ هَذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَأَنَّهُ لَمْ يُحَلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي ، وَلَمْ يُحَلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، لَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلَا يُلْتَقَطُ لُقْطَتُهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، لَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا۔ فَقَالَ الْعَبَّاسُ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِلَّا الْإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوتِهِمْ فَقَالَ: إِلَّا الْإِذْخِرَ)) [1]

"اس شہر مکہ کو اللہ نے اُس دن سے احترام و حرمت والا بنایا ہے جس دن سے زمین و آسمان بنائے گئے تھے۔ یہ حرمتِ الٰہی کے ساتھ قیامت تک کے لیے قابلِ احترام ہے اور اس میں مجھ سے پہلے کسی کو قتال (جنگ) کی اجازت نہیں دی گئی اور مجھے بھی دن کی ایک گھڑی میں اس کی اجازت ملی۔ یہ شہر حرمتِ الٰہی کے ساتھ قیامت تک کے لیے محترم ہے۔ اس کے کانٹے اور درخت نہ کاٹے جائیں، اس کے شکار کے جانوروں کو بھگایا نہ (شکار نہ کیا) جائے، اس میں گری پڑی کوئی چیز نہ اٹھائی جائے

[1]اس حدیث کو اس طرح سے طویل بخاری (۱۸۳۴) مسلم (۹/ ۱۲۳، ۱۲۶) ابو داود (۲۰۱۸) نسائی (۵/ ۲۰۳، ۲۰۴) ابن الجارود (۵۰۹) بیہقی (۵/ ۱۹۵) اور احمد (۱/ ۲۵۹، ۳۱۵، ۳۱۶) نے طائوس کے واسطے سے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ بخاری (۱۸۲۳) نسائی (۵/ ۲۱۱) بیہقی نے عکرمہ کے واسطے سے اور اسی طرح عبدالرزاق (۳۱۹۳) اور ان سے احمد (۳۴۸۱) نے عمرو بن دینار کے واسطے سے بھی اس کو ابن عباس سے روایت کیا ہے مگر ان کی حدیث طائوس کی حدیث کی نسبت مختصر ہے۔

سوائے اس کے جو اس کا اعلان و تعارف کرانے کے لیے اٹھائے اور اس کی گھاس نہ کاٹی جائے۔ تب (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! سوائے اِذخر کے (اسے کاٹنے کی اجازت فرمادیں) کیونکہ یہ بھٹی میں جلانے اور گھروں میں (بچھانے اور چھتوں پر ڈالنے کے) کام آتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوائے اِذخر کے۔ (یعنی اسے کاٹنے کی اجازت ہے)۔"

صحیح بخاری و مسلم ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

((لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، لَا يَلْتَقِطُ سَاقِطَتَهَا إِلَّا مُنْشِدُهَا)) [1]

''اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور اس کی گری پڑی چیز کوئی نہ اٹھائے سوائے اُس کے جو اس کا اعلان کرنا چاہے۔''

کنگھا کرنا:

بعض اہلِ علم احرام کی حالت میں کنگا کرنے کے حق میں بھی نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک تو یہ زیب وزینت کے لیے ہوتا ہے جو یہاں مطلوب ہی نہیں، دوسرے یہ جان بوجھ کر بالوں کو نوچنے کی شکل ہے جو کہ ممنوع ہے۔ لیکن اگر کوئی واقعی ضرورت پیش آجائے تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ صحیح بخاری ومسلم کی ایک حدیث جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طواف سے پہلے حیض آجانے کا ذکر ہے اور پھر اسی حالت میں انھیں منیٰ بھی جانا پڑا، اس میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا:

[1]اس کو بخاری (۱۱۲) ''العلم، باب کتابة العلم'' مسلم (۹/ ۱۲۸ ۱۳۰) ابو داود (۲۰۱۷) دارمی (۲/ ۲۶۵) ''البیوع'' ابن الجارود (۵۰۸) بیہقی (۵/ ۱۹۵) احمد (۲/ ۲۳۸) اسی طرح ابو یعلی (۵۹۵۴) اور بزار (۱۱۵۷) نے روایت کیا ہے۔

((اُنْقُضِيْ رَأْسَکِ وَامْتَشِطِيْ)) [1]

''اپنے سر کے بالوں کو کھولو اور کنگھا کرو۔'' اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بالوں کے نوچے جانے کا خدشہ نہ ہو تو مینڈھیوں کو کھولنا اور کنگھا کرنا جائز ہے البتہ بلاعذر کنگھا کرنا مکروہ ہے۔(شرح صحیح مسلم للنووي: ۴/۸/۱۴۰)

خلاصہ:

ان ''محرماتِ احرام'' میں سے اگر کوئی بھی فعل سرزد ہو جائے تو اس پر فدیہ ہے مگر حج صحیح رہے گا سوائے جماع کے۔ اگر کوئی شخص احرام کی حالت میں جماع کر بیٹھے تو اس کا حج یا عمرہ باطل ہو جائے گا اور کسی فدیہ سے اس کی تلافی بھی ممکن نہیں۔ اس پر پوری امتِ اسلامیہ کا اجماع ہے۔

(المغني: ۳/ ۳۱۵، الفتح الرباني: ۱۱/ ۳۳۳۔ ۳۳۶)

فدیے کی تفصیل ہم ذکر کرچکے ہیں کہ شکار کرنے کی شکل میں کیا ہے؟ جبکہ باقی امور میں وہ بال کٹوانے کی طرح ہی ہے۔

[1]بخاری (۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۹، ۱۵۵۶) ''الحیض والحج'' مسلم (۸/ ۱۳۸ ۱۳۹) ''الحج'' ابو داود (۱۷۸۱) وغیرہ۔

مباحاتِ احرام

بعض امور ایسے ہیں جو احرام کی حالت میں بھی جائز ہیں جنہیں فقہ اسلامی میں ''مباحاتِ احرام'' کہا جاتا ہے مگر بعض لوگ کم علمی کی وجہ سے ناحق پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ شاید احرام کی حالت میں انسان مشکلات میں جکڑ جاتا ہے۔ ان کے نزدیک احرام باندھ لینا گویا پابندِ سلاسل اور پابہ جولاں ہو جانے کے مترادف ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ شریعتِ اسلامیہ نہایت آسان ومتوازن اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے اور اس نے احرام کی حالت میں بھی کئی ضروری امور جائز اور مباح قرار دیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

غسل کرنا:

اگر بدخوابی کی وجہ سے نہانے کی ضرورت پیش آجائے یا صرف گرمی سے ٹھنڈک حاصل کرنا اور پسینہ دور کرنا مقصود ہو تو ہر شکل میں غسل کرنا جائز ہے۔ غسلِ جنابت کے جواز پر تو تمام ائمہ مذاہب کا اتفاق ہے۔ (فتح الباری: ۴/۵۵، ۵۶، الفتح الربانی: ۱۱/ ۲۱۰، ۲۱۳)

کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا احرام کے دوران غسل کے بارے میں اختلاف رائے ہو گیا جبکہ وہ "ابواء" نامی مقام پر تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: احرام والا سر دھو سکتا ہے، اور حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے فرمایا: احرام والا سر کو نہ دھوئے۔ حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن حنین رحمہ اللہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انھیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن حنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو کنویں کے پاس کپڑے کی اوٹ میں غسل کرتے پایا۔ میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے پوچھا: کون ہیں؟ میں نے بتایا کہ میں عبداللہ بن حنین (رضی اللہ عنہ) ہوں۔ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں آپ سے پوچھوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں کس طرح سرِ اقدس کو دھویا کرتے تھے؟ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے پردے والے کپڑے پر ہاتھ رکھا جس سے وہ کپڑا کچھ سکڑ گیا حتیٰ کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا سر مجھے نظر آنے لگا، پھر انھوں نے کسی کو کہا کہ میرے سر پر پانی ڈالو:

((فَصَبَّ عَلٰی رَأْسِہٖ، ثُمَّ حَرَّکَ رَأْسَهٗ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، وَقَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُهٗ يَفْعَلُ)) [1]

"اس نے ان کے سر پر پانی ڈالا۔ انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو خوب ہلایا اور سر کے آگے تک اور پیچھے تک ہاتھوں کو پھیرا (یعنی مل کر سر کو دھویا) اور پھر فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا ہے۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۴/ ۵۶) میں امام سفیان بن عیینہ سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:

((فَرَجَعْتُ إِلَيْهِمَا، فَأَخْبَرْتُهُمَا، فَقَالَ الْمِسْوَرُ لِابْنِ عَبَّاسٍ لَا أُمَارِيكَ أَبَداً)) [2]

[1] اس حدیث کو مالک (۱/ ۳۲۳) اور مالک کے طریق سے بخاری (۱۸۴۰) مسلم (۸/ ۱۲۵) ابو داود (۱۸۴۰) نسائی (۵/ ۱۲۸) ابن ماجہ (۲۹۳۴) بیہقی (۵/ ۶۳) اور احمد (۵/ ۴۱۸) نے روایت کیا ہے۔ [2] سفیان بن عیینہ کے طریق سے اس حدیث کو دارمی (۲/ ۳۰) ابن الجارود (۴۴۱) ابن خزیمۃ (۲۶۵۰) اور مسلم نے روایت کیا ہے مگر مذکورہ الفاظ اس طرح سے کسی کے ہاں بھی نہیں ہیں سوائے صحیح ابن خزیمہ کے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: ((فَأَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرْتُهٗ، فَقَالَ لَهُ الْمِسْوَرُ لَا أُمَارِيكَ فِي شَيْءٍ بَعْدَهَا أَبَداً)) حافظ صاحب نے جو الفاظ نقل کیے ہیں ممکن ہے وہ کسی دوسری کتاب میں ہوں۔ اسی طرح ابن جریج کی روایت میں آخری الفاظ ((لَا أُمَارِيكَ أَبَداً)) ہیں اور ان کی روایت مسند احمد (۵/ ۴۲۱) اور صحیح مسلم میں ہے۔

"میں ان دونوں کی طرف لوٹ کر گیا اور انہیں یہ جواب بتایا تو حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کہا کہ آج کے بعد میں کبھی بھی آپ سے بحث نہیں کروں گا۔(یعنی ان کے علم وفضل کا اعتراف کرلیا)۔" اس سے آگے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں: "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں غسل کرنا اور مُحرم کا اپنے سر کو خوب مَل کر دھونا جائز ہے جبکہ بالوں کے گرنے کا خدشہ نہ ہو۔ ایسے ہی وضو کے وقت احرام کی حالت میں بھی داڑھی کے بالوں کا خلال کرنا مستحب ہے۔" (فتح الباري ۴/ ۵۷) **سر کو مَل کر دھونا:** اس حدیث سے جوازِ غسل کے علاوہ سر کو دونوں ہاتھوں سے خوب مل کر دھونے کے جواز کا بھی پتہ چلتا ہے اور ظاہر ہے کہ سر کو مل کر دھونے میں کسی بال کے ٹوٹنے اور گرنے کا گمان غالب ہوتا ہے، اس کے باوجود جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سر کو مَل کر دھونے کا ثبوت ملتا ہے تو اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ دورانِ غسل اگر سر یا بدن کے کسی حصہ سے کوئی بال ٹوٹ کر گر گیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ سر کو دھونے کے جواز پر جمہور اہلِ علم اور اکثر ائمہ مثلاً امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راہویہ اور امام سفیان ثوری وغیرہ رحمہ اللہ کا اتفاق ہے۔

(الفتح الرباني: ١١/ ٢١٣، فتاوى ابن تيمية: ٢٦/١١٦)

ایسے ہی حنابلہ اور شوافع کے نزدیک غسل کے لیے خوشبودار صابن بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور احناف کے نزدیک صرف وہ صابن جائز ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔ (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ: ۱/ ۶۵۰۔۶۵۱، فقہ السنۃ: ۱/ ۶۶۶)

سر دھوتے وقت اس کا ڈھک جانا:

غسل کے جواز اور سر کو مل کر دھونے کا ثبوت تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل گیا جبکہ خلفاء راشدین میں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اثر بھی موطا امام مالک اور مسند امام شافعی میں مروی ہے جس سے احرام کی حالت میں ان کے سر کو دھونے کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

((مَا يَزِيْدُ الْمَاءُ الشَّعْرَ إِلاَّ شَعْثاً)) [1]

"پانی سر کے بالوں کی پراگندگی میں اضافہ ہی کرتا ہے۔"

اگر پانی میں غوطہ لگایا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے بھی سر پانی کے نیچے آجاتا اور ڈھک جاتا ہے۔ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ مسند شافعی اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((قَالَ لِيْ عُمَرُ ، وَنَحْنُ مُحْرِمُوْنَ بِالْجُحْفَةِ: تَعَالَ أُبَاقِيْكَ ، أَيُّنَا أَطْوَلُ نَفَساً فِي الْمَاءِ ؟)) [2]

"ہم جُحفہ کے مقام پر احرام کی حالت میں تھے کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آؤ پانی میں غوطہ لگا کر دیکھیں کہ ہم میں سے زیادہ لمبی سانس کس کی ہے ؟" (نیل الأوطار: ۳/ ٦/ ۱۳) امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سر کو پانی کے نیچے ڈھکنا بھی مکروہ ہے لیکن یہ اثرِ فاروقی ان کی تردید کر رہا ہے۔

احرام کو بدلنا یا دھونا :

احرام کے طور پر باندھی ہوئی چادروں یا عورتوں کے لباس کو کوئی غلاظت لگ جائے یا وہ زیادہ میلے ہو جائیں تو انھیں دھویا بھی جاسکتا ہے اور اگر دوسرے نئے کپڑے موجود ہوں تو انھیں بدلنا بھی جائز ہے۔

اس سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں تعلیقًااور سنن دار قطنی و بیہقی میں موصولاً مروی ہے:

((يَدْخُلُ الْمُحْرِمُ الْحَمَّامَ وَيَنْزِعُ ضِرْسَهُ، وَإِذَا انْكَسَرَ ظُفُرُهُ طَرَحَهُ، وَيَقُوْلُ: اَمِيْطُوْا عَنْكُمُ الأَذَىٰ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَصْنَعُ بِأَذَاكُمْ شَيْئاً)) [1]

"محرم حمام میں جا(نہا) سکتا ہے اور داڑھ نکال (یا نکلوا) سکتا ہے۔ اگر کوئی ناخن ٹوٹ جائے تو اسے اکھاڑ کر پھینک سکتا ہے۔ اور وہ کہا کرتے تھے کہ اپنے آپ سے میل کچیل دور کرو کیونکہ اللہ کو اس سے کوئی غرض نہیں۔"

انھیں کے بارے میں سنن بیہقی میں مروی ہے کہ وہ مقام جُحفہ پر احرام کی حالت میں نہانے کے لیے حمام میں داخل ہوئے تو انھیں کہا گیا کہ احرام کی حالت میں آپ حمام میں جا رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ مَا يَعْبَأُ بِأَوْسَاخِكُمْ شَيْئاً)) [1]

"اللہ کو تمھارے میل کچیل سے کوئی غرض نہیں۔" یہ بات جس طرح غسل کے بارے میں کہی جاسکتی ہے ویسے ہی کپڑے (احرام) دھونے کے بارے میں بھی ممکن ہے جبکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے:

((يَغْتَسِلُ الْمُحْرِمُ ، وَيَغْسِلُ ثِيَابَهُ)) [2]

"مُحرم غسل کر سکتا ہے اور اپنے احرام والے کپڑے دھو سکتا ہے۔" ان آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے احرام کے گندے کپڑوں کو دھونے کے جواز کا پتہ چلتا ہے اور اگر انھیں بدل کر نئے کپڑے پہن لیے تو بھی وہی بات ہے۔

(دیکھیے: المحلی لابن حزم: ٧/ ٢٤٧، ٢٤٨)

سایہ کرنا:

احرام کی حالت میں دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لیے چھتری، کپڑے، خیمے، گاڑی کی چھت یا کسی بھی چیز کے سائے میں بیٹھنا جائز ہے اور اس کا ثبوت خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث میں موجود ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی وہ معروف حدیث جو صحیح مسلم اور دیگر کتب میں بھی مروی ہے، جس میں حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آنکھوں دیکھا حال اور تفصیلی وقائع کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:

((---وَأَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعَرٍ تُضْرَبُ لَهُ بِنَمِرَةَ حَتّٰى أَتَى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ ---)) [1]

"--- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادیٔ نمرہ میں خیمہ نصب کرنے کا حکم فرمایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات کی طرف روانہ ہوئے تو نمرہ میں اپنے لیے خیمہ نصب پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے گئے یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا۔--" ایسے ہی صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

((رَأَيْتُ أُسَامَةَ وَبِلاَلاً وَأَحَدُهُمَا آخِذٌ بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم وَالآخَرُ رَافِعٌ ثَوْبَهُ يَسْتُرُهُ مِنَ الْحَرِّ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ)) [2]

"میں نے اسامہ اور بلال رضی اللہ عنہما کو دیکھا، ان میں سے ایک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے نے اپنے کپڑے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوپ سے بچانے کے لیے سایہ کیا ہوا تھا۔ اور یہ سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمرہ عقبہ پر رمی کر لینے تک بحال رہا۔"

یہ دونوں حدیثیں اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں کہ بوقتِ ضرورت کسی بھی چیز کا سایہ کیا جاسکتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

(مجموع الفتاوی: ۲۶/ ۱۱۲)

ایسے ہی بعض آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی سایہ کر لینے کے جواز کا پتہ چلتا ہے (جمہور) کا یہی مسلک ہے۔

علامہ ابن حزم نے اپنی معروف کتاب المحلّٰی (۷/ ۲۷۶) میں لکھا ہے:

"وَنَسْتَحِبُّ الْحَجَّ بِالصَّبِيِّ، وَإِنْ كَانَ صَغِيْرًا جِدًّا أَوْ كَبِيْرًا، وَلَهُ أَجْرٌ وَحَجٌّ، وَهُوَ تَطَوُّعٌ وَلِلَّذِيْ يَحُجُّ بِهِ أَجْرٌ"

"ہم بچے کو حج کرانا مستحب سمجھتے ہیں اگرچہ وہ بہت چھوٹا ہو یا بڑا اور اسے اجر بھی ملے گا اور اس کا حج بھی شمار ہو گا اور یہ نفلی حج ہو گا اور جو اسے حج کرائے گا اسے بھی اجر و ثواب ملے گا۔"

میں امام نووی رحمہ اللہ سے بچوں کو حج کرانے کے ثبوت و جواز پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور امت کا اجماع نقل کیا ہے۔

بچوں کا احرام:

بچوں کو حج کرانے کا طریقہ تقریباً وہی ہے جو بڑوں کے حج کرنے کا ہے لیکن بعض امور میں کچھ فرق ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے احرام کا مسئلہ در پیش آتا ہے۔ یہاں ایک بنیادی بات پیشِ نظر رہے کہ شارح صحیح مسلم امام نووی رحمہ اللہ کے بقول امام شافعی، مالک، احمد رحمہ اللہ اور جمہور اہلِ علم کے نزدیک بچوں کو بھی احرام باندھنا (احرام کے حکم میں داخل کرنا) ضروری ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بچوں کو احرام باندھنا ضروری نہیں بلکہ وہ معمول کے کپڑوں میں ہی حج کریں گے۔ امام صاحب موصوف کی یہ رائے شارح بخاری حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں، امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں، امام ابن قدامہ نے المغنی (۳/ ۲۵۲) میں، علامہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد (۱/ ۲۵۳) میں اور فقہ حنفی کے متعدد مؤلفین نے اپنی اپنی کتب میں ذکر کی ہے جبکہ خود فقہ حنفی کی معتبر کتب مثلاً ہدایہ، غنیۃ، ابن نجیم، ابن عابدین، مبسوط، در مختار، شرح الکتاب (قدوری) اور فتاویٰ عالمگیری میں موصوف کی رائے بھی دیگر ائمہ ثلاثہ اور جمہور کی طرح ہی ہے کہ بچے کا احرام بھی نفلی طور پر منعقد ہو جاتا ہے۔ (بحوالہ المرعاۃ: ۶/ ۲۰۱)

تو گویا سب کے نزدیک انھیں احرام باندھ دینا چاہیے اور یہی بہتر ہے۔ لہٰذا جب کسی میقات پر پہنچیں تو وہاں بچیوں کے لیے تو ظاہر ہے کہ عورتوں کی طرح کوئی مخصوص احرام نہیں ہو گا بلکہ وہ تو معمول کے کپڑوں میں ہی احرام باندھ لیں البتہ لڑکوں کو دو سفید چادریں پہنا دی جائیں جس کے آداب و طریقہ کا ذکر گزر چکا ہے۔ یہ تو باشعور اور سمجھدار بچوں کا احرام ہوا جو احرام کے کپڑے پہن سکتے ہیں۔ رہے چھوٹے اور شیر خوار بچے تو ان میں سے بچیوں کو تو کوئی بھی کپڑے بطورِ احرام پہنائے جا سکتے ہیں البتہ بچوں کو احرام کے حکم میں لانے کیلئے ضروری ہے کہ ان کے سلے ہوئے کپڑے اتار دیے جائیں اور اَن سلے سفید کپڑے میں انھیں لپیٹ دیا جائے۔ جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر کی التمہید کے حوالے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بچپن میں طواف کرانے کا واقعہ گزرا ہے۔ در مختار میں لکھا ہے کہ بچے کے روزمرہ کے کپڑے اتار کر اسے دو چادریں پہنا دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سمجھدار بچوں کے بارے میں ہے جبکہ چھوٹے اور شیر خوار بچے کو صرف ایک ہی کپڑے میں بطورِ احرام لپیٹ لینا بھی کافی ہو گا جس کی دلیل سابقہ اثرِ صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں امام ثوری اور عبدالرحمن بن قاسم رحمہ اللہ کے واسطوں سے ان کے والد کا بیان نقل کیا گیا ہے؛ جس میں وہ فرماتے ہیں:

((كَانُوْا يُحِبُّوْنَ اِذَا حَجَّ الصَّبِيُّ اَنْ يُّجَرِّدُوْهُ وَاَنْ يُّجَنِّبُوْهُ عَنِ الطِّيْبِ)) [1]

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اگر بچہ حج کرے تو اس کے سلے ہوئے کپڑے اتار دیے جائیں اور اسے خوشبو وغیرہ سے بچایا جائے۔“ اگر بچوں کو احرام کے کپڑے نہ بھی پہنائے جائیں بلکہ ان کے معمول کے کپڑوں میں انھیں احرام کے حکم میں داخل کر دیا جائے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق اس کی بھی گنجائش ہے کیونکہ ان کے نزدیک بچے کا احرام لازمی نہیں نفلی ہے۔ لہٰذا افضل تو یہی ہے کہ سلے ہوئے کپڑے اتار دیے جائیں لیکن یہ واجب نہیں۔

بچوں کا عمرہ:

جب احرام پہن کر بچے تیار ہو جائیں تو ان میں سے سمجھدار بچے اور بچیاں تو ”لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ عُمْرَۃً“ کہیں اور پھر ساتھ ہی تلبیہ پکارنا شروع کر دیں اور جب تک احرام میں رہیں ”محرماتِ احرام“ میں سے کسی فعل کا ارتکاب نہ کریں۔ ناسمجھ بچوں کی طرف سے احرام کی نیت کر کے انھیں مُحرم بنانے کی ذمہ داری کس کی ہے؟ اس میں کچھ اختلاف ہے۔ مختصر یہ کہ ماں باپ یا کوئی بھی سرپرست یہ ذمہ داری پوری کر سکتا ہے۔ (المرعاۃ: ٦/ ٢٠٥) لہٰذا سبل السلام شرح بلوغ المرام، المبسوط، درمختار اور فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہدایت کے مطابق بچے کا ولی یا سرپرست بچے کی طرف سے دل میں یہ نیت کرے کہ میں نے اپنے اس بچے کو ”مُحرِم“ بنایا تو اس کے ساتھ ہی وہ بچہ احرام کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔

(سبل السلام: ١/ ٢/ ١٨١، المرعاۃ: ٦/ ٢٠١) جبکہ مفتیٔ عالمِ اسلام علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ چھوٹے بچے اور بچی کی طرف سے ان کے سرپرست کا احرام باندھنا (یعنی انھیں احرام کے حکم میں داخل کرنا) بھی واجب نہیں بلکہ نفل ہے۔ ایسا کر لے تو اسے ثواب ہو گا اور اگر ایسا نہ کرے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ (التحقیق والإیضاح، ص: ٢٣) میقات سے احرام باندھنے کے بعد حرم شریف کی طرف روانہ ہوں تو بڑے بچے خود تلبیہ کہتے جائیں اور چھوٹے بچوں کی طرف سے ان کے سرپرستوں کا انھیں احرام کے حکم میں داخل کرتے وقت کہا ہوا تلبیہ ہی کافی ہے۔ طہارت کی تمیز نہ رکھنے والے اور شیر خوار بچوں کو پیمپر لگا لیا جائے یا پھر پلاسٹک کے نیکر ملتے ہیں جن میں عام کپڑا رکھا جاتا ہے۔ اس طرح ان کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا۔ جب سلس البول والے بڑوں کو اس کی اجازت ہے تو بچوں کو بالاولیٰ ہو گی۔ حرم تک پہنچنے پر گزشتہ صفحات میں بتائے گئے آداب وطریقہ سے حرم شریف اور مسجد حرام میں داخل ہوں۔ جو بچے طہارت کی تمیز رکھتے ہیں ان کا باوضو ہونا ضروری ہے کیونکہ طواف کیلئے طہارت شرط ہے۔ بڑے بچے تو طواف وسعی خود چل کر کریں جبکہ چھوٹے بچوں کو خود اٹھا کر یا سواری پر بٹھا کر طواف وسعی کروالی جائے۔ خود اٹھا کر طواف وسعی کرانے کی شکل میں کیا یہ طواف وسعی بچے اور اسے اٹھانے والے شخص، دونوں کی طرف سے کافی ہو گی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں لہٰذا افضل تو یہ ہے کہ پہلے خود طواف وسعی کریں اور پھر مستقل طور پر بچے کو طواف وسعی کرالیں۔ (یا پھر اپنے ساتھ ساتھ ہی کرائے کی سواری پر بچے کو بٹھا کر طواف وسعی کرالیں۔ اس طرح دونوں کی طرف سے طواف وسعی ہو جائیں گے) اور اسی میں احتیاط ہے۔ کیونکہ یہ عبادت کا معاملہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سنن ترمذی ونسائی، مسند احمد اور طبرانی میں ارشاد ہے:

((دَعْ مَایُرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یُرِیْبُکَ)) [1]

[1] یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کو حسن بن علی، ابن عمر، انس، نعمان بن بشیر، واثلۃ بن الأسقع اور وابصۃ بن معبد رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے: ا۔ حدیثِ حسن بن علی کو ترمذی (٢٥١٨) ”صفۃ القیامۃ“ نسائی (٨/ ٣٢٧۔ ٣٢٨) ”الأشربۃ، باب الحث علی ترک الشبہات“ دارمی (٢/ ٢٤٥) ”البیوع، باب دع ما یریبک“ ابن خزیمۃ (٢٣٤٨) ابن حبان (٥١٢) طبرانی نے ”المعجم الکبیر“ (٣/ ٧٥، ٧٦، ٧٧/ ٢٧٠٨، ١١/ ٢٧٠) میں، حاکم (٢/ ١٣، ٤/ ٩٩) عبدالرزاق (٤٩٨٤) طیالسی (١/ ٢٥٩) احمد (١/ ٢٠٠) ابو یعلی (٦٧٦٢) اور ابو نعیم نے ”حلیۃ الاولیاء“ (٨/ ٢٦٤) میں مختلف طُرق سے برید بن ابی

مریم سے اور انھوں نے ابو الحوراء کے واسطے سے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔ اس کو ترمذی، ابن خزیمۃ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ابوالشیخ نے ''طبقات المحدثین'' (۱/ ۴۷) میں اس حدیث کو محمد بن عبدالوہاب کے واسطے سے بھی حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مگر یہ سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ''ابو غالب نضر بن عبداللہ'' ہے اور یہ مجہول ہے جیسا کہ ''تقریب'' میں ہے۔ ۲۔حدیثِ ابن عمر کو طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' (۱/ ۱۹) میں، قضاعی نے ''مسند الشہاب'' (۶۴۵) میں، بیہقی نے ''الزھد'' (۸۶۵) میں اور خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' (۶/ ۳۸۶) میں عن طریق عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر روایت کیا ہے اور یہ حدیث ابن عمر سے مالک عن نافع کے طریق سے بھی مروی ہے مگر اس طریق سے یہ ضعیف ہے۔ اس طریق سے بھی اس کو طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' (۱/ ۲۰۱) میں، ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' (۶/ ۳۵۲) میں اور خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' (۲/ ۲۲۰، ۳۸۷) میں روایت کیا ہے۔ ۳۔حدیثِ انس کو احمد (۳/ ۵۳) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابو عبید اللہ الاسدی ہے اگر یہ ثقہ ہے تو اس کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے اور اس موقوف کی سند جید ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ ابن عدی (۱/۲۰۶) نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے مگر یہ سند سخت ضعیف ہے کیونکہ اس میں احمد بن ہارون ہے اور یہ متہم ہے۔ ۴۔نعمان بن بشیر کی حدیث کو ابو الشیخ نے ''طبقات المحدثین'' (۴/ ۳۰۰) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی صالح بن موسیٰ ہے، اگر یہ صالح بن موسیٰ الطلحی ہے)

[1]تو اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اگر یہ الطلحی نہیں بلکہ کوئی دوسرا ہے تو کون ہے؟ واللہ اعلم۔ ۵۔ واثلۃ بن الأسقع کی حدیث کو طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (۲۲/ ۸۱/ ۱۹۷) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ ۶۔ حدیث وابصۃ بن معبد کو بھی طبرانی (۲۲/ ۱۴۷/ ۳۹۹) نے ہی روایت کیا ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ یہ حدیث مسند احمد (۳/ ۱۵۳) میں انس رضی اللہ عنہ سے اور ''سنن نسائی'' (۸/ ۲۳۰، ۲۳۱) ''آداب القضاء، باب ''الحکم بأتفاق أھل العلم'' میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ حدیثِ انس کی سند جید ہے اسی طرح حدیثِ ابن مسعود کی بھی سند جید ہے۔ امام نسائی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''یہ حدیث جید ہے'' حاصلِ کلام: مذکورہ احادیث میں سے حدیثِ حسن بن علی کی ایک سند صحیح ہے۔ اسی طرح حدیثِ ابن عمر کی ایک سند جید ہے اور باقی جو ان کے دوسرے طُرق اور شواہد ہیں، ان سے بھی اس حدیث کی صحت کی تائید ہوتی ہے۔

''مشکوک (انداز یا کام) کو چھوڑ کر وہ اپنائیں جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ ہو۔''

اگر کوئی شخص اپنے بچے کو خود اٹھالیتا ہے اور ایک ہی طواف وسعی میں اپنی اور اپنے بچے کی طرف سے بھی اکٹھی ہی نیت کر لیتا ہے تو فقہاء کے دو اقوال میں سے صحیح ترین قول کے مطابق یہ طواف وسعی دونوں کی طرف سے ہی کفایت کر جائیں گے۔ کیونکہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں جس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بچے کے حج کے بارے میں سوال کیا تھا، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کی طرف سے الگ طواف اور الگ سعی کرنے کا حکم نہیں فرمایا تھا۔ اگر یہ واجب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی وضاحت ضرور فرما دیتے۔

(التحقیق والایضاح، ص: ۲۳)

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ جب طواف مکمل ہو جائے تو سمجھدار خصوصاً سات سال اور اس سے زیادہ عمر کے بچوں کو اپنے ساتھ ہی مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھائیں کیونکہ سات سال کی عمر کے بچوں کو نماز کا حکم دینے اور دس سال کے ہو کر بھی جو بچے نہ پڑھیں تو انھیں مار کر پڑھانے کا حکم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حالات میں دیا ہے چہ جائیکہ حرم شریف اور موسم حج ہو۔ چنانچہ سنن ابو داود و ترمذی، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ إِذَا بَلَغُوْا سَبْعاً وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا إِذَا بَلَغُوْا عَشْراً)) [1]

"اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم دیں اور جب دس سال کے ہو کر بھی پابندی سے نہ پڑھیں تو انھیں مار کر پڑھائیں۔" ویسے حرم شریف تک پہنچ جانے والے بچے تو خوش نصیب اور باسعادت ہی ہو سکتے ہیں وہ تو خود ہی ذوق وشوق کے ساتھ ایسے امور سرانجام دیتے ہیں۔

جب مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں پڑھ لیں تو پھر انھیں بھی اپنے ساتھ لے جا کر خوب جی بھر کر آبِ زمزم پئیں اور پلائیں اور جہاں اپنے لیے دین ودنیا کی بھلائیوں کی دعائیں مانگیں وہیں ان نونہالوں کے روشن دینی و دنیاوی مستقبل، ورع وتقویٰ اور صحت ودرازئ عمر کی دعائیں بھی کریں، کیونکہ آبِ زمزم پیتے وقت کی گئی

[1]یہ حدیث عبداللہ بن عمر و اور مسور بن معبد سے مروی ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث ابو داود اور مسند احمد وغیرہ میں ہے اور مسور بن معبد رضی اللہ عنہ کی حدیث دارمی اور احمد وغیرہ میں ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کی مفصل تخریج ہم نے "تخریج صلوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو: حدیث (۱۳۱)

دعائیں اور تمنائیں اللہ پوری کرتا ہے جیسا کہ آبِ زمزم کے فضائل وبرکات کے ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ جب صفا ومردہ کے مابین سعی سے فارغ ہو جائیں تو بچوں میں سے لڑکیوں کے تو انگلی کے پَورے کے برابر بال کاٹ دیں اور لڑکوں کے بالوں کے سلسلے میں بھی بڑوں کے بالوں کی طرح ہی دو صورتیں ہیں:

1۔ اگر حج (۸/ ذوالحج) میں کافی وقت ہو اور بال دوبارہ اُگ سکتے ہوں تو ان کا گنجا کروالیں۔

2۔ اگر وقت کم ہو اور بال اگنے کی توقع نہ ہو تو پھر ان کے کچھ بال کاٹ دیں تاکہ یومِ نحر کو گنجا کیا جا سکے۔

بال کاٹنے (حلق یا تقصیر) کے ساتھ ہی بچوں کا عمرہ بھی پورا ہو گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ اب ان کے احرام بھی کھول دیں اور وہ آٹھ ذوالحج (یومِ ترویہ) تک معمول کے کپڑوں میں رہیں۔ اس دوران سمجھدار بچوں کو نماز کے لیے اپنے ساتھ مسجدِ حرام میں لے جاتے رہیں اور ممکن ہو تو نفلی طواف میں بھی وقتاً فوقتاً ساتھ لے جائیں۔

بچوں کا حج:

یومِ ترویہ (۸/ ذوالحج) کو جب خود حج کا احرام باندھیں تو گزشتہ صفحات میں بتائی گئی تفصیل کے مطابق بچوں کو بھی احرام باندھیں اور منیٰ چلے جائیں۔ ۹/ ذوالحج (یومِ عرفہ) کو سورج نکلنے پر انھیں بھی اپنے ساتھ ہی عرفات لے جائیں، وہاں سے غروبِ آفتاب کے بعد انھیں اپنے ساتھ ہی مزدلفہ لے آئیں اور رات وہیں رہیں۔ نمازِ فجر کے بعد سورج اگنے کے قریب تک کا وقت ذکر و دعا میں گزار کر طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی انھیں لیکر وہاں سے منیٰ کو روانہ ہو جائیں۔ وقوفِ عرفات ومزدلفہ میں انھیں ضرور ساتھ ہی رکھیں کہ اس کے بغیر تو حج ہی نہیں ہوتا۔

۱۰/ ذوالحج (یومِ نحر) کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں ان کے وکیل یا نائب کی حیثیت سے آپ خود رمی کر آئیں کیونکہ وہاں اس قدر بِھیڑ ہوتی ہے کہ اچھے بھلے بھی ہمت ہار جاتے ہیں چہ جائیکہ بچے وہاں خود جا کر کنکریاں ماریں۔ اور جو بچے، بہت چھوٹے یا شیر خوار ہیں؛ ان کی نسبت

تو وکیل بننے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ ویسے بھی جب شرعاً وکیل یا نائب یہ ذمہ داری پوری کر سکتا ہے تو پھر عذر کی شکل میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ بعض خواتین اپنے ہاتھ سے کنکریاں مارنے کے شوق بلکہ ضد کی بنا پر اصرار کر کے جمرات پر جا نکلتی ہیں مگر کئی مرتبہ ایسے بھی ہوا کہ جمرات کے قریب نسوانی آواز میں چیخ و پکار سنی گئی جو یقیناً شرعی رخصتوں سے فائدہ نہ اٹھانے کا خمیازہ بھگتنے والی بات ہے۔ ہاں! اگر جمرات کو دیکھنے کا شوق پورا کرنا ہو تو چودہ یا پندرہ ذوالحج کو وہاں چلے جائیں۔ وہ مقامات آپ کو خالی ملیں گے۔ زیادہ سے زیادہ چند لوگ وہاں ہوں گے جو رمی سے رونما ہونے والی توڑ پھوڑ کی اصلاح کر رہے ہوں گے۔

رمی کے بعد اپنی اور بیوی بچوں کی طرف سے فی کس ایک ایک جانور کی قربانی دیں اور اگر ایک اونٹ یا گائے لے کر قربانی دیں تو یہ سات افراد کی طرف سے کفایت کر جاتے ہیں۔ حجِ تمتّع یا قِران کرنے والے تمام حجاج پر قربانی واجب ہے اور اس عام حکم میں بچے بھی شامل ہیں۔ (**الشرح الصغیر للدردیر: ۸/۲۔ حاشیہ**)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے سوا باقی تینوں ائمہ اور جمہور اہلِ علم کا بھی یہی مسلک ہے کہ بچے کی طرف سے بھی ہدی (قربانی) لازم ہے۔ (المرعاۃ: ۶/ ۲۰۲) منحر (قربان گاہ) یا جس جگہ بھی قربانی کرنا ہو؛ وہاں بھی بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں بلکہ والد یا سرپرست ہی بچوں کی طرف سے بھی قربانی کر آئے اور یہی طریقہ خواتین اور دیگر ضعیف لوگوں کے لیے بھی ہے۔ قربانی سے فارغ ہونے کے بعد سر کے بال کٹوانے یا منڈوانے کا موقع آتا ہے جبکہ بالوں کا منڈوانا ہی افضل ہے کیونکہ سر منڈوانے والوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ دعائے رحمت و مغفرت کی تھی اور بال کٹوانے والوں کے لیے صرف ایک مرتبہ جیسا کہ "حلق یا تقصیر" کے ضمن میں حدیث گزری ہے۔ لہٰذا اپنے ساتھ ہی بچوں کے بھی سر منڈوا دیں جبکہ خواتین اور بچیوں کے لیے صرف انگلی کے ایک پورے کے برابر بال کاٹنا ہی کافی ہے اور اس کے ساتھ ہی ان سے احرام کی سب پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ سب پابندیاں صرف بچوں سے ختم ہوتی ہیں۔ بڑوں پر ابھی ازدواجی تعلقات کی پابندی باقی ہوتی ہے۔ اسی لیے ان کی نسبت یہ "تحلّلِ اول" کہلاتا ہے جبکہ بچوں کا یہی ایک تحلّل ہوتا ہے۔ اس کے بعد "بچوں کا عمرہ" کے ضمن میں ذکر کیے گئے طریقہ کے مطابق انھیں طوافِ افاضہ کرائیں، سمجھداروں کو مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھائیں، آبِ زمزم پلائیں، صفا و مروہ کے مابین سعی کروائیں کیونکہ پہلی مرتبہ کا طواف و سعی عمرہ کے لیے تھے اور یہ حج کے لیے ہیں۔ اس طواف و سعی کے مکمل ہوتے ہی بڑوں سے بھی ازدواجی تعلقات سمیت احرام کی تمام پابندیاں ختم ہو گئیں اور یہ ان کا "تحلّلِ ثانی" یا "تحلّلِ کُلی" ہے۔

بچوں کی طرف سے ایامِ تشریق کی رمی میں احتیاط:

۱۱، ۱۲، ۱۳ یا کم از کم ۱۱ اور ۱۲/ ذوالحج کو بچوں کی طرف سے بھی روزانہ تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں ماریں۔ ایامِ تشریق میں بچوں کی طرف سے رمی کرنے (کنکریاں مارنے) کے سلسلے میں وکیل یا نائب کی طرف سے جلد بازی میں ایک بہت بڑی غلطی کر جانے کا احتمال ہوتا ہے اور وہ یوں کہ بطورِ مثال ایک صاحب کے پانچ بچے ہیں اور اہلیہ بھی ساتھ ہے۔ ایامِ تشریق میں روزانہ فی کس اکیس کنکریاں بنتی ہیں، جنھیں سات سات کر کے تینوں جمرات پر مارنا ہوتا ہے۔

اور ان صاحب کے پاس اپنی، اہلیہ کی اور بچوں کی کل ایک سو سینتالیس(۱۴۷) کنکریاں بنتی ہیں جنھیں تینوں جمرات پر تقسیم کریں تو انچاس انچاس (۴۹) کنکریاں فی جمرہ بنتی ہیں۔ ایسی صورت حال میں بعض لوگ پہلے چند کنکریاں تو سنت کے مطابق ایک ایک کرکے ہی مارتے ہیں اور پھر مٹھیاں بھر بھر کر اکٹھی پھینک دیتے ہیں جبکہ اس طرح پھینکی ہوئی کنکریوں سے رمی شمار نہیں ہوتی۔(المغني : ۳/ ۳۸٦) لہٰذا ضروری ہے کہ ایک ایک کرکے ہی تمام کنکریاں ماری جائیں اور ہر کنکری کے ساتھ "اللّٰہ اَکبر" کہا جائے۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ پہلے تینوں جمرات پر باری باری جاکر اپنی کنکریاں مارے پھر تینوں پر باری باری ہی بیوی بچوں کی طرف سے بھی جائے بلکہ جتنے افراد کی طرف سے رمی کرنا چاہے، پہلے جمرہ پر ایک ہی جگہ کھڑے ہوکر پہلے اپنی طرف سے اور پھر باری باری دیگر افراد کی طرف سے رمی کرلے۔ اسی طرح دوسرے اور پھر تیسرے جمرے پر بھی کرلے تو علماء کے دو میں سے صحیح ترین قول کے مطابق یہ جائز ہے کیونکہ پہلی شکل کی دلیل کوئی نہیں اور پھر اس میں مشقت وحرج بھی ہے جبکہ ارشادِ الٰہی ہے:

{وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ} [الحج:۷۸]

"اور (اللہ نے) دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔"

نیز صحیح بخاری ومسلم، سنن نسائی اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور بخاری ومسلم اور مسند احمد میں حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا)) [1] "آسانی کرو، مشکل نہ پیدا کرو۔"

نیز پہلی صورت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی منقول نہیں جبکہ انھوں نے بچوں اور عذر

[1]۱۔ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ : بخاری (۶۹) "العلم" مسلم (۱۲/ ۴۲) "الجهاد" احمد (۳/ ۱۳۱۔ ۲۰۹) نسائی "السنن الکبریٰ" ملاحظہ ہو: "تحفة الاشراف" (۱/ ۴۳۷) ۲۔ حدیثِ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ : بخاری (۶۱۲۴) "الجهاد" مسلم (۱۲/ ۴۰، ۴۱) ابو داود (۴۸۳۵) "الأدب، باب کراہیة المراء" احمد (۴/ ۳۹۹) و زوائد احمد (۴/ ۳۹۹)

والوں کی طرف سے رمی کی اور اگر انھوں نے ایسا کیا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا کیونکہ وہ لوگ ایسے امور کو نقل کرنے میں بڑے باہمت تھے۔ (التحقیق والإیضاح، ص: ۵۰، ۵۱)

مذکورہ صوتِ حال میں اگر اپنے دو ایک احباب کا تعاون حاصل کرلیا جائے تو مل کر آسانی کے ساتھ سب کی طرف سے رمی کی جاسکتی ہے اور یہ اس لیے کہ حُجاج کی کثرت کی وجہ سے تینوں جمرات پر انچاس انچاس کنکریاں ایک ایک کرکے مارنا اکیلے آدمی کے لیے کوئی آسان کام نہیں اور مٹھی بھر کر پھینکنے سے تو رمی ہی شمار نہیں ہوتی۔ اس طرح جب ایامِ تشریق کی رمی مکمل کرلیں تو اس کے ساتھ ہی آپ کا اور بچوں کا حج وعمرہ مکمل ہوگئے۔ ع

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جا ہے

بچوں پر فدیہ وقضا:

بچوں کے حج کے ضمن میں ایک اہم مسئلہ یہ بھی آتا ہے کہ اگر احرام کی حالت میں کسی بچے سے احرام کی پابندیوں میں سے کوئی خلاف ورزی ہو جائے تو کیا اس کے ذمے بھی فدیہ (دم) ہے یا نہیں؟ جس پر اس کا والد یا سرپرست ایک جانور ذبح کرے گا یا نہیں؟ اس سلسلے میں اہلِ علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام مالک رحمہ اللہ اور جمہور اہلِ علم کا قول یہ ہے کہ محرماتِ احرام کی خلاف ورزی کرنے پر بچے کی طرف سے بھی دم (کفارہ وفدیہ) دیناواجب ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب نہیں جیسا کہ علامہ زرقانی، ابن عبد البر اور امام خطابی رحمہ اللہ نے ان سے نقل کیا ہے۔ علامہ عبید اللہ رحمانی نے "المرعاۃ" میں لکھا ہے کہ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کی المغنی، امام نووی رحمہ اللہ کی المجموع اور مناسک الحج اور دردیر رحمہ اللہ کی الشرح الکبیر پر دسوقی کے حاشیہ سے پتہ چلتا ہے کہ فدیہ کو واجب قرار دینے والے ائمہ ثلاثہ میں بھی باہم کچھ اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض نے بعض صورتوں میں کفارے اور قضا کو ساقط وغیر واجب قرار دیا ہے۔

احناف کے نزدیک بچوں پر کسی صورت میں بھی کوئی کفارہ وفدیہ اور قضا واجب نہیں جبکہ معروف محقّق علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب المحلّٰی (۷/ ۲۷۶۔۲۷۷) میں بڑے وقیع دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ بچے پر کوئی فدیہ وقضا نہیں ہے۔ نیک کام کرنے پر اُسے اجر ملے گا اور اگر اس سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس پر وہ گناہگار نہیں ہوتا۔ احناف (وظاہریہ) نے سنن ابو داود، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں مذکور اس مشہور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَبْلُغَ ۔۔۔)) [1]

"تین قسم کے لوگ مرفوع القلم ہیں: (ان میں سے سب سے پہلا ہے) بچہ، جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔۔۔۔" حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بچے کے غیر مکلف ہونے کو مجازی طور پر مرفوع القلم کہا گیا ہے نہ کہ حقیقی طور پر اس سے قلم اٹھائی گئی ہے کیونکہ اس کے نیک کاموں پر ثواب تو لکھا جاتا ہے۔ فاروقِ اعظم خلیفۂ راشد امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

((تُكْتَبُ لِلصَّغِيْرِ حَسَنَاتُهُ وَلَا تُكْتَبُ عَلَيْهِ سَيِّآتُهُ)) (بحوالہ المرعاۃ: ۶/ ۲۰۳)

"بچے کی نیکیاں تو لکھی جاتی ہیں لیکن اس کی برائیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج نہیں ہوتیں۔"

[1] یہ حدیث عائشہ، علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور یہ صحیح حدیث ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو ابو داود (۴۳۹۸) "الحدود" نسائی (۶/۱۵۶) "الطلاق" ابن ماجہ (۲۰۴۱) "الطلاق" وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کا فضلِ خاص ہے کہ وہ بچے کے بالغ ہونے تک اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں تو لکھواتا ہے مگر گناہ درج نہیں کراتا۔

اس مسئلے میں علامہ رحمانی نے احناف اور علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے مسلک کو راجح قرار دیا ہے کہ بچے پر کوئی فدیہ اور قضا نہیں اور یہی صحیح بھی ہے، کیونکہ دیگر ائمہ ثلاثہ کے پاس اور جمہور کے یہاں اپنے مذکورہ مسلک کو ثابت کرنے کے لیے (قرآن وسنت کی) کوئی نصِ صریح اور دلیل نہیں ہے۔(دیکھیں: المرعاۃ: ۶/ ۲۰۰، ۲۰۳)

قبل از بلوغت حج کا حکم:

یہ بات تو معروف ہی ہے کہ بلوغت سے پہلے کیا جانے والا حج نفلی ہو گا۔ ایسا بچہ جب بالغ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اُسے حج کی استطاعت بھی مہیا فرما دے تو اس پر فرض حج (حجِ اسلام) ادا کرنا ضروری ہو گا۔ بچپن کا کیا ہوا حج اس فرضیت کو زائل کرنے کے لیے کافی نہیں ہو گا جیسا کہ کئی احادیث سے پتہ چلتا ہے اور پوری امتِ اسلامیہ کا اس بات پر اجماع بھی ہے۔

(دیکھیں: فتح الباري: ۴/ ۷۱، ۷۲، تحفة الأحوذي: ۳/ ۶۷۲۔ ۶۷۴، نیل الأوطار: ۲/ ۴/ ۲۹۴، الفتح الرباني: ۱۱/ ۳۰۔ ۳۱، المرعاۃ: ۶/ ۲۰۴۔ ۲۰۵، سبل السلام: ۱/ ۲/ ۱۸۰۔ ۱۸۳)

طوفِ ودَاع

جب ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳/ ذوالحج) کی رَمی مکمل ہو جائے تو منیٰ سے مکہ مکرمہ آجائیں۔ اس کے ساتھ ہی تمام مناسکِ حج مکمل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف روانگی ہوتی ہے لہٰذا جاتے وقت "طوفِ وداع" ضرور کرلیں، کیونکہ یہ بھی واجب ہے۔

طوفِ وداع کا وجوب:

طوفِ وداع کے واجب ہونے کی دلیل صحیح بخاری ومسلم، سنن ابو داود وابن ماجہ اور مسند احمد میں مذکور وہ حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لاَ یَنْفِرَنَّ اَحَدٌ حَتّٰی یَکُوْنَ آخِرُ عَهْدِهٖ الطَّوَافُ بِالْبَیْتِ)) [1]

[1]ان الفاظ سے اس حدیث کو مسلم (۹/ ۷۸، ۷۹) ابو داود (۲۰۰۲) ابن ماجه (۳۰۷۰) دارمی (۲/ ۷۲) ابن الجارود (۴۹۵) ابن خزیمه (۳۰۰۰) بیهقی (۵/ ۱۶۱) احمد (۱/ ۲۲۲) اور ابو یعلی(۲۴۰۳) نے سلیمان الاحول کے طریق سے طاؤس کے واسطے سے عبدالله بن عباس رضی الله عنهما سے روایت کیا ہے۔ بخاری (۳۲۸، ۱۷۵۵، ۱۷۶۰) "الحیض" و "الحج" اسی طرح مسلم، ابن خزیمه اور بیهقی نے بھی عبدالله بن طائوس کے طریق سے اور انہوں نے اپنے باپ "طائوس" کے واسطے سے ابن عباس سے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: ((أَمَرَ النَّاسَ أَنْ یَّکُوْنَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَیْتِ)) یعنی "رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو طوافِ وداع کرنے کا حکم دیا۔'' اس طریق میں ابن خزیمہ کے علاوہ باقی سب کے یہاں آخر میں یہ اضافہ بھی ہے: ((اِلاَّ اَنَّہٗ خَفَّفَ عَنِ الْحَائِضِ))

''کوئی شخص اس وقت تک (مکہ مکرمہ سے) نہ جائے جب تک کہ وہ آخر میں طوافِ وداع نہ کرلے۔'' البتہ جو عورت طوافِ افاضہ کرچکی ہو اور اس کے بعد اُسے حیض آجائے تو اسے طوافِ وداع کیے بغیر نکلنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ اِسی مذکورہ سابقہ حدیث میں ہے:

((اِلاَّ اَنَّہٗ خَفَّفَ عَنِ الْحَائِضِ)) [1]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ عورت سے اس کی تخفیف کردی۔'' یعنی اسے اجازت دے دی کہ وہ روانہ ہوجائے اور حیض آجانے کی وجہ سے طوافِ وداع نہ کرسکنے پر کوئی دم (فدیہ) بھی نہیں ہے۔ (شرح الفتح الربانی: ۱۲/ ۲۳۶)

طوافِ وداع کا طریقہ وآداب:

اس طواف کے لیے نہ تو اضطباع ہے اور نہ ہی رمل، اور اس کے بعد صفاومروہ کے مابین سعی بھی نہیں ہے۔ معمول کے لباس میں حرم شریف میں جاکر گزشتہ اوراق میں ذکر کیے گیے آداب کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کریں۔ جب سات شوط (چکر) پورے ہوجائیں تو مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر دو رکعتیں پڑھیں۔ ملتزم کے ساتھ چمٹ کر یا پاس کھڑے ہوکر دعائیں کریں، آبِ زمزم پئیں اور ((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ)) پڑھتے ہوئے حرم شریف سے نکل جائیں اور اپنا بایاں قدم پہلے باہر رکھیں جیسا کہ عام مساجد سے نکلنے کا طریقہ ہے۔ بعض لوگ طوافِ وداع کے بعد حرم شریف سے الٹے پاؤں نکلتے ہیں اور سیدھے منہ نکلنے کو شائد بے ادبی سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن وسنت میں اس ''ادب'' کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام رحمہ اللہ سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا لہٰذا یہ سراسر خانہ ساز فعل ہے۔ (مناسک الحج والعمرۃ، ص: ۴۳)

شہرِ مکہ سے روانگی:

صحیح بخاری ومسلم میں مذکور حدیث کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت ثنیہ سُفلٰی کے راستے سے نکلیں۔ [1] یہ جگہ آج کل محلہ شامیہ میں باب الشبیکہ کے قریب ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے اس راستے سے نکلنا ممکن نہ ہو تو پھر کسی بھی راستے سے نکلا جاسکتا ہے کیونکہ پورے مکہ مکرمہ کو ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ قرار دیا ہے، جس کی تفصیل اور دلائل پر مبنی احادیث ''دخولِ مکہ'' کے ضمن میں ذکر کی جاچکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو یہ ایمان پرور بہاریں دیکھنا نصیب کرے۔ (آمین یا الٰہ العالمین)

[1] بخاری (۱۵۷۵، ۱۵۷۶) مسلم (۹/ ۳) ابو داود (۱۸۶۶) نسائی (۵/ ۲۰۰) دارمی (۲/ ۷۱) ابن ماجہ (۲۹۴۰) وغیرہ۔

آدابِ زیاتِ مدینہ طیبہ

یوں تو ”طوفِ وداع“ کے ساتھ ہی حج و عمرہ کے تمام مناسک (فرائض وواجبات) پورے ہو جاتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی کوئی کمی یا نقص باقی نہیں رہ جاتا۔ مدینہ طیبہ، مسجدِ نبوی و حجرۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور روضۂ شریفہ کی زیارت حج و عمرہ کا حصہ یا رکن تو نہیں ہے مگر اس کا یہ مطلب بھی ہر گز نہیں کہ اس مقدّس سفر کے دوران مدینہ طیبہ جانا ہی نہیں چاہیے۔ تکمیلِ حج کے بعد مدینہ طیبہ بھی جائیں کیونکہ یہی وہ شہر ہے جہاں مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض دیگر مقاماتِ مقدسہ واقع ہیں۔

1۔ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم :

اِس میں نماز پڑھنے کی نیت کرکے اور حصولِ ثواب کی غرض سے شدِّ رحال (سفر کرنا) موسمِ حج اور غیر موسمِ حج ہر وقت ہی جائز ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور ابو داود میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلاَّ اِلٰی ثَلاَ ثَةِ مَسَاجِدَ : اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ وَمَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی)) [1]

[1] یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے جن میں ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری بھی ہیں: ۱۔ حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بخاری (۱۱۸۹) مسلم (۹/ ۱۶۷، ۱۶۸) ابو داود (۲۰۳۳) اور نسائی (۲/ ۳۷، ۳۸) ”المساجد“ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ۲۔ حدیثِ ابو سعید خدری کو بھی بخاری و مسلم (۹/ ۱۰۶۱۰۴) ”باب سفر المراۃ مع محرم إلی حج وغیرہ“ اور ترمذی (۳۳۶) ”الصلوۃ“ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

”(حصولِ ثواب کی غرض سے) صرف تین مسجدوں کی طرف سفر کرکے جانا جائز ہے: مسجدِ حرام، میری مسجد (مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

اور مسجدِ اقصیٰ۔“ لہٰذا مدینہ منورہ کے سفر کا ارادہ کریں تو دل میں نیت مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہی ہونی چاہیے۔ پھر جب آپ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ جائیں تو پھر حجرۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور روضۂ شریفہ کی زیارت بھی مشروع ہے۔ اس طرح سفر کرنے سے مذکورہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی نہ ہوگی اور دیگر شبہات کا ازالہ بھی خود بخود ہو جائے گا۔ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نماز کا ثواب صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث کی رو سے عام مساجد میں پڑھی گئی ایک ہزار نماز سے زیادہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((صَلٰوةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلاَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ)) [1]

”میری اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب مسجدِ حرام کو چھوڑ کر دوسری تمام مساجد سے ایک ہزار گنا زیادہ ہے۔“

جبکہ سنن ابن ماجہ کی ایک روایت جو کہ متکلّم فیہ ہے اس میں تو پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کا ذکر بھی موجود ہے مگر وہ ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہے۔[2]

ویسے صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ایک ہزار نماز کا ثواب بھی کیا کم ہے؟!

[1]بخاری (۱۱۹۰) مسلم (۹/ ۱۶۳، ۱۶۵) نسائی(۲/ ۳۵، ۵/ ۲۱۴) ''المساجد والحج'' اسی طرح یہ حدیث دیگر بھی بہت سی کتب میں ہے۔ اس حدیث کو دیگر بہت سے صحابہ نے بھی روایت کیا ہے اور تاحال ان کی تعداد میرے پاس ابوہریرہ سمیت نو تک پہنچی ہے۔ [2] اس حدیث کو ابن ماجہ (۱۴۱۳) اور اسی طرح ابو سعید الجندی نے بھی ''فضائل المدینۃ'' (۴۱) میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث سنداً ضعیف اور متن کے اعتبار سے مردود ہے۔ مردود اس لیے کہ متعدد احادیث میں ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نماز ایک ہزار نماز سے بہتر ہے۔

2۔ حجرہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

مدینہ طیبہ ہی وہ شہر ہے جہاں سرورِ کائنات، سید المرسلین، امام الانبیاء، امام اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ طیبہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرامگاہ اور قبرِ مقدس ہے۔ جہاں مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تحیۃ المسجد پڑھ لینے کے بعد بہ صد ہزار جان درود و سلام پڑھنا چاہیے۔

3۔ روضہ شریفہ:

مدینہ طیبہ ہی وہ شہر ہے جس میں "روضہ شریفہ" ہے؛ جس کے بارے میں صحیح بخاری و مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

((مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ)) [1]

"میرے گھر اور میرے منبر کا درمیانی قطعۂ ارضی جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مقام کو "روضہ" کا نام دیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور منبر کے مابین والی جگہ ہے جس کے ستونوں پر سفید سنگِ مرمر لگا کر نمایاں اور ممتاز کیا گیا ہے کیونکہ باقی ستون وہاں سرخ سنگِ مرمر کے ہیں لیکن آج اِس مقام کو تو "روضہ" کے نام سے شاید تھوڑے ہی لوگ جانتے ہیں۔ عوام الناس تو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مقدس پر مشتمل حجرہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی روضۂ شریفہ سمجھتے ہیں جبکہ وہ

[1]یہ حدیث متعدد صحابہ رضی اللہ عنھم سے مروی ہے، جن میں سے ابوہریرہ اور عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہما بھی ہیں: ۱۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری (۱۱۹۶، ۱۸۸۸) مسلم (۹/ ۱۶۲) اور ترمذی (۳۹۱۵، ۳۹۱۶) ''المناقب'' وغیرہ میں ہے۔ ۲۔ حدیث عبداللہ بن زید کو مالک (۱/ ۱۹۷) بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حجرہ شریفہ ہے جو کہ ام المومنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہ، طیبہ وطاہرہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما کا گھر ہوا کرتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مقدس اسی جگہ ہے۔

مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کے آداب:

جب مدینہ طیبہ پہنچیں تو جہاں قیام کا ارادہ ہو وہاں اپنا سامان وغیرہ رکھیں۔ نہا دھو کر اور باوضو مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کریں۔ مسجد کے پاس پہنچنے پر پہلے اپنا دایاں پاؤں مسجد کے اندر رکھیں اور صحیح مسلم، سنن ابو داود، ترمذی اور ابن ماجہ میں مذکور یہ دُعا کریں:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَبِسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)) [1]

"اللہ کے نام سے۔ درود وسلام ہوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، میں عظمت والے اللہ، اس کے رخِ کریم اور سلطانِ قدیم کی پناہ مانگتا ہوں شیطانِ مردود سے۔ اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے!" یہ پوری دعا یاد نہ ہو تو کم از کم اس کا آخری حصہ:

((اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ))پڑھ لیں۔

مسجد میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کریں کہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا کریں اور ممکن ہو تو یہ دو رکعتیں روضۃ الجنۃ میں ادا کی جائیں۔ (التحقیق والایضاح، ص: ٦١) جس کی خاص نشانی ذکر کی جاچکی ہے کہ اتنی جگہ کے تمام ستون سفید سنگ مرمر کے ہیں جبکہ اس کے ارد گرد پرانی تعمیر کے ستون لال رنگ کے ہیں۔

)) [1]اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔۔۔الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ)) یہ دعا عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں ہے اور اس کو ابو داود نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند جید ہے۔ مزید تفصیل کے لیے نمبر (١٣٦) دیکھیں۔

درود وسلام:

تحیۃ المسجد سے فارغ ہو کر حجرہ اقدس پر حاضر ہوں اور محسنِ انسانیت، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر کمالِ ادب اور جوشِ محبت کے ساتھ درود وسلام پڑھیں کیونکہ قرآنِ کریم میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا} [الأحزاب: ٥٦]

"اے ایمان والو! آپ پر درود وسلام پڑھو۔"

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر پر سلام کہیں جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی آسودۂ خاک ہیں اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر پر سلام کہیں کہ وہ بھی ساتھ ہی یکے از آسودگان ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں صاحبین کے لیے دُعا بھی کریں اور ہر ایک کے لیے ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ'' کہیں۔

توجہ طلب اُمور:

یہاں بعض امور کی طرف توجہ مبذول کروانا مناسب معلوم ہوتا ہے:

1۔ یہاں کسی خاص ہیئت کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ادب ومحبت سے آئیں اور صلوٰۃ وسلام کریں۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں جو لکھا ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے کھڑا ہو۔۔۔۔(احیاء علوم الدین: ۱/ ۲۳۲) اس ہیئت کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (مناسک الحج والعمرۃ، ص: ۶۲) اور یہاں نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا اور سلام کرنا بھی ناجائز ہے۔ (التحقيق والايضاح، ص: ٦٨، بحواله فتح الباري)

4۔ مسجدِ قباء:

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام کے دوران مسجدِ قباء میں کسی وقت دو رکعتیں بھی پڑھ لیں کیونکہ سنن ترمذی ونسائی وابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ، ثُمَّ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءَ فَصَلَّى فِيهِ صَلَاةً كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ)) [2]

''جو شخص گھر سے وضو کر کے آئے اور مسجد قبا میں نماز (دو رکعتیں) ادا کرے اسے ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے۔'' [1]

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((كَانَ النَّبِيُّ صلي الله عليه وسلم يَزُورُ قُبَاءَ رَاكِباً وَمَاشِياً (وزاد في رواية:) فَيُصَلِّيْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ)) [2]

'' [1]المساجد'' ابن ماجه (۱۴۱۲) ''إقامة الصلوة'' احمد (۳/ ۴۸۷) اور ابو سعيد الجندی نے ''فضائل المدينة'' (۵۷) ميں روايت كيا ہے مگر مذكوره الفاظ ابن ماجه كے ہيں۔ اس حديث كی سند تو ضعيف ہے مگر يه اپنے شواہد كی بنا پر صحيح حديث ہے۔ ان شواہد ميں اسيد بن حضير، ابن عمر، سهل بن سعد اور ابوسعيد خدری رضی الله عنهم كی احاديث ہيں: ۱۔ حديثِ اسيد كو ترمذی (۳۲۴) ابن ماجه (۱۴۱۱) حاكم (۱/ ۴۸۷) بيهقی (۵/ ۲۴۸) ابن ابی شيبه (۲/ ۳۷۳، ۱۲/ ۱۲۰) ابويعلی (۷۱۷۲) اور بخاری نے ''التاريخ الكبير'' (۲/ ۴۷) ميں روايت كيا ہے۔ ۲۔ حديثِ ابن عمر رضی الله عنهما كو ابن حبان (۱۰۳۸) اور عقيلی (۱/ ۹۸، ۲۲۰، ۲۲۱) نے روايت كيا ہے اور اس كو ابن حبان نے صحيح كها ہے۔ ۳،۴۔ حديثِ سهل بن سعد اور ابو سعيد كو ابن سعد نے ''الطبقات'' (۱/ ۲۴۴) ميں روايت كيا ہے۔ تنبيه: سهل بن حنيف رضی الله عنه كی حديث كے ايک طريق ميں چار ركعت پڑھنے كا ذكر ہے اور اس طريق سے اس روايت كو ابن ابی شيبه، عبد بن حميد نے ''المنتخب من المسند'' (۴۶۹) ميں اور عقيلی (۴/ ۴۵۰) نے روايت كيا ہے۔ مگر يه طريق يوسف بن طهمان كی وجه سے سخت ضعيف ہے جبكه اسی طريق سے اس حديث كو بخاری نے بھی ''التاريخ

الکبیر'' (۸/ ۳۷۹) میں روایت کیا ہے مگر اس میں چار رکعت کی صراحت نہیں ہے مگر اس حدیث کے دوسرے طرق اور مذکورہ دیگر احادیث کی طرح مطلق نماز کا ذکر ہے۔ [2] اس حدیث کو مسلم (۹/ ۱۶۹، ۱۷۰) ابو داود (۲۰۴۰) اور بیہقی (۵/ ۲۴۸) نے روایت کیا ہے اور بخاری (۱۱۹۵) نے ((فَيُصَلِّي فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ)) ان الفاظ کو تعلیقاً روایت کیا ہے۔ ان الفاظ کے بغیر یہ حدیث بخاری، اسی طرح نسائی (۲/ ۳۷) وغیرہ میں موصولاً مروی ہے۔

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم قباء کی زیارت کے لیے کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر جایا کرتے تھے (اور ایک روایت میں ہے:) وہاں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔''

5۔ بقیع الغرقد:

قیامِ مدینہ کے دوران مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پنجگانہ نمازِ باجماعت کی پابندی کریں اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی جنت البقیع ہے۔ اس کی زیارت کے لیے جائیں تو صحیح مسلم میں مذکور یہ دعا اہلِ بقیع کے لیے کریں:

((اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ ، وَأَتَاكُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ غَداً مُؤَجَّلُوْنَ ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لاَحِقُوْنَ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ)) [1]

''اے مومن لوگو! تم پر سلامتی ہو اور تمھیں وہ مل گیا ہے جس کا تم سے وعدہ تھا اور جب اللہ نے چاہا ہم بھی تم سے آ ملیں گے۔ اے اللہ! بقیع الغرقد کے آسودگان کی مغفرت فرما۔'' اور صحیح مسلم کی ہی دوسری روایت میں ہے:

((اَلسَّلاَمُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لاَحِقُوْنَ)) [2]

''اے اس شہرِ خاموشاں کے مومن و مسلمان باسیو! تم پر سلامتی ہو۔

[1] یہ دعا عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے اور اس کو مسلم (۷/ ۴۱) ''الجنائز'' نسائی نے ''السنن'' (۴/ ۹۴) ''الجنائز'' اور ''عمل الیوم واللیلۃ'' (۱۰۹۲) میں، ابن السنی (۵۹۷) اور بیہقی (۵/ ۲۴۹) نے روایت کیا ہے۔ [2] یہ دعا بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہی ہے اس کو بھی مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم میں سے پہلے چلے جانے اور پیچھے رہ جانے والوں پر رحم فرمائے اور ان شاء اللہ ہم بھی آپ سے ضرور ملیں گے۔'' اس دعا کے آخری الفاظ ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ)) چھوڑ کر مذکورہ دونوں صیغوں پر مشتمل یا کوئی ایک دعا و سلام شہداءِ اُحد پر بھی پڑھیں۔ اور چاہیں تو عام قبرستانوں میں پڑھی جانے والی یہ دعا کر لیں جو کہ مسلم شریف میں مذکورہ سابقہ دونوں دعاؤں کے آگے ہی درج ہے:

((اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ أَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآئَ اللّٰہُ بِکُمْ لاَحِقُوْنَ ، أَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ)) [1]

"اے شہر خاموشاں کے مومن ومسلمان باشندو! تم پر سلامتی ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ (تم سے) آملیں گیا۔ ہم اپنے اور تمھارے لیے اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔"

دیگر تاریخی یادگاریں :

مذکورہ مقامات اور زیارتوں کے علاوہ مدینہ طیبہ اور اس کے گردونواح میں کتنی ہی تاریخی یادگاریں ہیں۔ اسی طرح مکہ مکرمہ کے قرب وجوار میں بھی ایسے ہی مقامات موجود ہیں۔ جن کی شرعی نقطۂ نظر سے تو نہیں البتہ تاریخی نقطۂ نظر سے زیارت کی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ جہاں بھی جائیں وہیں دورکعتیں ضرور ہی پڑھیں کیونکہ یہ التزام قطعاً ثابت نہیں ہے اور جہاں جو کچھ ثابت ہے وہ ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

قیامِ مدینہ طیبہ:

حرمین شریفین روئے زمین پر دو ایسے مقامات ہیں کہ جہاں رہتے ہوئے کسی

[1] یہ دعا بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ اس کو بھی مسلم ، نسائی اور ابن ماجہ (۱۵۴۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

مسلمان کا کبھی بھی جی نہیں بھرتا کیونکہ وہاں قلب ونظر کی آبیاری اور روح وایمان کی بالیدگی کے سامان موجود ہیں۔ ایک حرم (حرمِ مکی) میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور دوسرے حرم (حرمِ مدنی) میں ایک نماز کا ثواب صحیح حدیث کی رو سے ایک ہزار نماز سے زیادہ ہے، لہٰذا حج سے پہلے یا بعد میں زیاتِ مدینہ طیبہ سے فارغ ہو کر زیادہ سے زیادہ وقت مکہ مکرمہ میں صرف کرنا اجر وثواب میں زیادتی کا باعث ہے کیونکہ حرمِ مکی میں پڑھی گئی ایک نماز کا ثواب حرمِ مدنی سے سوگنا زیادہ ہے مگر بعض حجاج کرام مکہ مکرمہ میں کم رہیں یا زیادہ، مدینہ طیبہ میں کم از کم آٹھ دن رُکنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چالیس نمازیں پوری کر سکیں۔

چالیس نمازیں؟

مدینہ طیبہ میں آٹھ دن قیام کر کے چالیس نمازیں مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ادا کرنے کو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ شاید وہ حج کا ایک لازمی حصہ ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حرمین شریفین میں جتنا بھی رکا جائے سعادت ہے، جتنی فرصت اور گنجائش ہو وہاں اتنا وقت گزارا جاسکتا ہے (اگرچہ جلد وطن واپسی مستحب ہے جیسا کہ تھوڑا آگے چل کر ہم بادلائل ذکر کر رہے ہیں) لیکن حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آٹھ دن کا قیام اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چالیس نمازوں کا التزام حج کا حصہ ہرگز نہیں ہے البتہ مسند احمد اور معجم طبرانی اوسط کی ایک ضعیف روایت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بلا انقطاع، مسلسل چالیس نمازیں پڑھنے والے کی جہنم اور نفاق سے براءت اور عذاب سے نجات ہو جاتی ہے۔[1]

[1]اس حدیث کو احمد (۳/ ۱۵۵) عبداللہ بن احمد نے ''زوائدالمسند'' (۳/ ۱۵۵) میں اور طبرانی نے ''الاوسط'' میں (جیسا کہ ''مجمع الزوائد'' میں ہے) روایت کیا ہے۔ یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کو بیان کرنے والا نبیط بن عمرو ہے جو مجهول ہے۔ اسی علّت کی بنا پر شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ دیکھیں: ''السلسلة الضعيفة'' (۳٦۴)

غالباً اِسی روایت کے پیشِ نظر اکثر حجاج مدینہ شریف میں آٹھ دن قیام کرنے پر مصرّ ہوتے ہیں۔ اولاً: یہ روایت ہی صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔ (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة للألباني: ١/ ٣٦٦) بعض اہلِ علم نے اس روایت کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے کہ جس سے اس روایت کے قوی ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ مثلاً علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد (۴/ ۸) میں کہا ہے کہ اس روایت کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مسجدِ حرام کے ایک فاضل مدرس شیخ المعصومی نے المشاہدات المعصومیۃ (ص ۲۰) میں اس کی توثیق کی ہے۔ امام منذری رحمہ اللہ نے الترغیب (۲/ ۱۳٦) میں اس کی تصحیح کی ہے اور دورِ حاضر کے معروف عالم سید سابق نے فقہ السنہ (۲/ ۱۱۲) میں اسے امام احمد و طبرانی کی طرف منسوب کر کے اس کی سند کو صحیح کہا ہے لیکن یہ سب تسامحات ہیں کیونکہ اس روایت کا ایک راوی نبیط بن عمرو ہے جس سے امام بخاری و مسلم حتیٰ کہ اصحاب سنن نے کوئی روایت نقل نہیں کی۔ اس راوی کو امام ابن حبان کا ثقہ قرار دینا بھی ان کے معروف اصول ''توثیق المجھولین'' کے تحت ہے جسے دیگر محدثین کرام نے قبول نہیں کیا۔ علاوہ ازیں کسی محدث کا کسی حدیث کے بارے میں ''رجالہ ثقات'' یا ''رجالہ رجال الصحیح'' کہہ دینا بھی اس کے صحیح السند ہونے کیلئے کافی نہیں ہوتا کیونکہ رواۃ کے ثقہ اور صحیح کے رواۃ ہونے کے باوجود اس کی سند میں انقطاع اور ارسال کا خدشہ باقی رہتا ہے۔

ثانیاً: اگر علیٰ وجہ التنزل مشار الیہ حدیث کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس سے یہ مفہوم تو ہر گز نہیں لیا جاسکتا ہے کہ یہ آٹھ روزہ قیامِ مدینہ فرض یا واجب ہے اور نہ ہی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حج کا کوئی رکن یا حصہ ہے لہٰذا جیسا بھی موقع ملے اور جتنی کچھ گنجائش نکلے اسی کے مطابق اس قیام کو کم و بیش کیا جاسکتا ہے اور اس سے حج پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ثالثاً: رہا معاملہ جہنم کے عذاب اور نفاق سے براءت حاصل کرنے کے جذبے کا تو یہ عین اسلامی ہے اور ہر مسلمان میں ہر جگہ رہتے ہوئے ہونا چاہیے اور اس کا حصول اس مشار الیہ حدیث سے بدرجہا قوی حدیث کی رُو سے عام حالات میں حتیٰ کہ اپنے وطن اور گھر میں رہتے ہوئے بھی ممکن ہے۔ ع

کوئی راہ رو منزل تو ہو!

چنانچہ ترمذی شریف میں مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے:

((مَنْ صَلّٰی لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَةٍ، یُدْرِکُ التَّکْبِیْرَةَ الْاُوْلٰی، کُتِبَتْ لَہٗ بَرَاءَتَانِ: بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ)) [1]

''جس نے چالیس دن تمام نمازیں باجماعت تکبیرِ اول کے وقت مل کر ادا کیں اس کے لیے دو چیزوں:

نارِ جہنم اور نفاق، سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔''

''فَهٰذِهِ الطُّرُقُ وَإِنْ كَانَتْ مُفْرَدَاتُهَا لَا تَخْلُو مِنْ عِلَّةٍ فَمَجْمُوعُهَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ لَهُ أَصْلاً۔۔۔'' (الصحیحۃ: ۴/ ۶۲۸، ۶۳۱)

''مذکورہ طُرق میں سے اگرچہ انفرادی طور پر ہر طریق میں ہی (ضُعف کی) کوئی نہ کوئی علّت وسبب موجود ہے مگر یہ مجموعی طور پر اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس حدیث کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔''

یہ تشویش کیوں؟

بعض لوگ جب چالیس نمازیں باجماعت ادا کرنے کے دوران کسی وجہ سے کبھی کسی نماز کی جماعت سے رہ جائیں تو یہ بات ان کے لیے سوہانِ روح بن جاتی ہے اور اس پریشانی وتشویش کو دور کرنے کے لیے اب اگر وہ نئے سرے سے چالیس نمازیں پوری کرنا چاہیں تو وقت نہیں ہوتا، لہٰذا ان کی ذہنی کوفت باقی ہی رہتی ہے۔ حالانکہ سابقہ تفصیل کے پیشِ نظر اس تشویش کی ضرورت نہیں بلکہ جتنی نمازیں پڑھ سکیں انھیں غنیمت سمجھیں اور اللہ کا شکر ادا کریں مگر اتنی پریشانی میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ چالیس کا یہ عدد صحیح احادیث سے وہاں کے لیے ثابت ہی نہیں، نہ یہ حج کا رکن یا حصہ ہے اور نہ ہی ائمہ اربعہ اور فقہاء ومحدّثینِ کرام رحمہ اللہ میں سے کسی نے وہاں چالیس نمازیں پوری کرنے کو فرض یا واجب کہا ہے۔

دورانِ حج تجارت ومزدوری:

عوامی حلقوں میں یہ تاثر عام پایا جاتا ہے کہ جو شخص دورانِ حج تجارت یا کوئی مزدوری کرے اس کا حج ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے بارے میں عجیب وغریب باتیں بنائیں جاتی ہیں حتیٰ کہ اس کی نیت پر شک کیا جاتا ہے کہ یہ گیا ہی کمائی کرنے کے لیے تھا۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں بھی شریعتِ اسلامیہ کا حکم واضح کر دیا جائے کہ یہ جائز ہے یا ممنوع؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآنِ کریم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جائز قرار دیا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں مناسکِ حج بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

{لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ} [البقرۃ: ۱۸۹]

''(اگر حج کے ساتھ ساتھ) تم اپنے رب کا فضل (رزق) بھی تلاش کرتے جاؤ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی ایک قراءت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی ذکر کی ہے کہ اس میں ''فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ'' کے الفاظ بھی ہیں جو ترجمۂ آیت کو واضح کر دیتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں لوگوں نے موسمِ حج میں تجارت ومزدوری کو اصل اور مستقل مقصود بنالیا ہوا تھا۔ منیٰ میں بازار لگتے، نمائشیں قائم ہوتیں اور مارکیٹنگ کی گرما گرمی ہوتی تھی۔ اسلام نے جب حج میں ملائی ہوئی جاہلانہ رسوم کو مٹایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوچا کہ شاید تجارت ومزدوری بھی مکمل طور پر ممنوع ہو گئی، تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں مروی

ہے کہ شروع میں لوگ حج کے دوران منیٰ وعرفات میں لگنے والے بازاروں (عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز) میں خرید وفروخت کرتے تھے۔ پھر وہ احرام کی حالت میں خرید وفروخت کرنے سے ڈر گئے (کہ کہیں یہ گناہ نہ ہو) اس پر اللہ نے یہ آیت اتاری۔[1]

[1]بخاری (۱۷۷۰) اسی طرح اس کو بیہقی (۴/ ۳۳۳) اور الواحدی نے ''اسباب النزول'' (۳۸) میں عمرو بن دینار کے واسطے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ابو داود (۱۷۳۱، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵) ابن خزیمہ (۳۰۵۴) حاکم (۱/ ۴۴۹، ۴۸۱، ۴۸۲) اور بیہقی (۴/ ۳۳۴) نے اس کو دوسرے واسطوں سے بھی ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت اس حدیث کے علاوہ حضرت عمر فاروق، عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی بعض دیگر تفسیری روایات بھی ذکر کی ہیں جو ابن جریر، مسند احمد اور مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے ہیں؛ جن سے دورانِ حج تجارت ومزدوری کے جائز ہونے کا پتہ چلتاہے۔(تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۸۵، اردو) جوازِ تجارت پر سورۃ حج کی آیت (۳۸) سے بھی استدلال کیا جاسکتاہے جس میں ارشاد ہے:

{لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ } [الحج: ۳۸]

''تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو ان کے لیے (یہاں رکھے) ہیں۔''

معروف مصری فاضل سید سابق نے بھی فقہ السنہ میں مذکورہ سابقہ حدیث کے علاوہ سنن ابو داود، بیہقی، دار قطنی اور سنن سعید بن منصور کی احادیث نقل کی ہیں جو دورانِ حج تجارت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔(فقه السنة: ۱/ ۶۴۱)

بذل المجہود شرح ابی داود (مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ) کے حواشی میں امام ابن قدامہ سے نقل کرتے ہوئے معروف حنفی عالم اور مصنفِ ''تبلیغی نصاب'' (نیانام ''فضائلِ اعمال'') مولانا محمد زکریا سہارن پوری رحمہ اللہ نے لکھاہے: ''اس پر امتِ اسلامیہ کا اجماع ہے کہ حج کے دوران کسبِ معاش کے لیے صنعت وتجارت یا مزدوری کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' (بذل المجهود: ۸/ ۳۰۹)

الغرض اللہ تعالیٰ نے {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ } فرماکر کہ ''تم پر کوئی گناہ نہیں'' اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیاہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ اس سے بچا جائے۔

(فقه السنه ۱/ ۶۴۱ ـ حاشیه ـ جدید فقهی مسائل از مولانا خالد سیف رحمانی، ص: ۱۳۰ طبع حیدر آباد ـ انڈیا)

ہاں! اگر مقصد بنائے بغیر ضمنی طور پر ہو تو اجازت ہے۔ غرض کہ اس کا مدار نیت پر ہے۔ تجارت ومزدوری کو مقصود بنالینا اور اس میں اس قدر مصروف ہوجانا کہ حرم شریف کی عبادتوں اور وہاں کی برکتوں سے فائدہ اٹھانے میں خلل واقع ہو۔ یہ مناسب نہیں اور نہ ہی یہ درست ہے کہ وہاں سے غیر قانونی طور پر سامان لایا جائے، یا کسٹم میں دھوکہ دیا جائے۔ اس طرح حج اور حجاج کی حرمت واحترام متاثر ہوتے ہیں اور بذاتِ خود بھی یہ انداز درست نہیں۔ البتہ ایسی غیر قانونی چیزوں کے علاوہ کچھ خرید وفروخت کرلے تو جائز ہے۔ (جدید فقہی مسائل، ص: ۱۳۰، ۱۳۱) یہ

صورتیں بھی پاک وہند یا دوسرے ممالک سے آنے والے لوگوں کی نسبت ہیں جبکہ خلیجی ممالک اور مکہ مدینہ کی مارکیٹ تقریباً ایک ہی ہے اور اگر بعض اشیاء میں کوئی معمولی سا فرق ہو بھی تو وہ حرمین شریفین کی عبادتوں اور اس کے فضائل وبرکات کے مقابلے میں ہیچ ہے۔

عام تحائف اور مقدس ہدیے:

اب رہا اپنے اہل وعیال اور اعزّاء واقارب کے لیے ہدیے اور تحائف خرید کر لانے کا معاملہ تو جہاں تجارت ومزدوری جائز ہے وہاں یہ کیونکر ناجائز ہوں گے؟ لیکن سوچنا یہ چاہیے کہ سرزمینِ حجاز اور حرمین شریفین کے اصل تحائف اور مقدس ہدیے کیا ہیں؟ آپ کپڑوں اور گھڑیوں وغیرہ کے تحفے خریدیں یا مصلّے (جانماز) اور تسبیحات، یہ سب چیزیں تو غیر ملکی مصنوعات ہیں جنھیں تاجر حضرات لاتے، منگواتے اور بیچتے ہیں اور دل کے خوش کرنے کو اتنا ضرور ہو جاتا ہے کہ ہم یہ تحائف مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ سے لائے ہیں۔ یہ اشیاء بھی لائیں تو ساتھ ہی دو تحائف لانا ہرگز نہ بھولیں اور وافر مقدار میں لائیں جو انمول تحائف اور مقدس ہدیے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ بھی ہیں جن میں سے ایک مکہ مکرمہ سے اور دوسرا مدینہ منورہ سے عام ملتا ہے۔

مکہ مکرمہ سے ملنے والا مقدس ہدیہ تو آبِ زمزم ہے جس کے فضائل وبرکات کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات ''طواف'' کے ضمن میں ذکر کیے جاچکے ہیں جبکہ مدینہ منورہ کا مقدس ہدیہ وگراں مایہ تحفہ ''عجوہ'' نامی کھجور ہے جس کے بارے میں صحیح بخاری ومسلم میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتٍ عَجْوَةٍ لَمْ يَضُرَّهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ)) [1]

''جس نے صبح کے وقت عجوہ کھجور کے سات دانے کھالیے، اسے اس دن زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔'' اور مسلم شریف میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((إِنَّ فِي عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ شِفَاءٌ وَإِنَّهَا تِرْيَاقٌ أَوَّلَ الْبُكْرَةِ)) [2]

''عوالی مدینہ کی عجوہ کھجور میں شفاء ہے اور اس کا علی الصبح کھانا زہر کا تریاق ہے۔''

جبکہ سنن ترمذی ونسائی وابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

[1] یہ حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کو بخاری (۵۴۴۵، ۵۷۶۸، ۵۷۶۹، ۵۷۷۹) ''الاطعمة والطب'' مسلم (۱۴/ ۲) ''الاشربة'' اسی طرح ابو داود (۳۸۷۶) ''الطب'' ابن ابی شیبه (۶/ ۳۶، دار التاج) احمد (۱/ ۱۶۸، ۱۷۷) ابو یعلی (۷۱۷، ۷۸۶، ۷۸۷) حمیدی (۷۰) عبد بن حمید نے ''المنتخب من المسند'' (۱۴۵) میں، احمد الدورقی نے ''مسند سعد'' (۲۸، ۳۷) میں اور ابو الشیخ نے ''طبقات المحدثین'' (۳/ ۱۰۶) میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے جیسا کہ اگلی حدیث (۳۸۳) میں آرہا ہے۔ [2] اس کو مسلم (۱۴/ ۳) اسی طرح ابن ابی شیبه (۵/ ۳۷۔ دار التاج) اور احمد (۶/ ۱۰۵۔ ۱۵۲) نے بھی روایت کیا ہے۔ بخاری نے ''التاریخ الکبیر'' (۴/ ۲۸) میں طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' (۱/ ۱۹) میں اور خطیب بغدادی نے ''الموضح'' (۱/ ۱۱۵) میں اس حدیث کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسری سند سے، حدیثِ سعد سے ملتے جلتے الفاظ سے بھی روایت کیا ہے مگر یہ سند ضعیف ہے۔

((اَلْعَجْوَۃُ مِنَ الْجَنَّۃِ وَھِیَ شِفَاءٌ مِنَ السُّمِّ)) [1]

''عجوہ جنت سے ہے اور یہ زہر کے لیے شفاء ہے۔'' علّامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب زادالمعاد کے باب ''الطب النبوي'' میں لکھا ہے کہ ''عجوہ'' سے مراد مدینہ منورہ کی عجوہ کھجور ہے جو حجازی کھجوروں میں سے سب سے عمدہ اور مفید ترین ہے اور پھر آگے چل کر اس کے فوائد بھی ذکر کیے ہیں۔(دیکھیے: زادالمعاد: ۴/ ۲۹۱، ۲۹۲، ۳۴۱ یا اس کا اردو ترجمہ ''طبِ نبوی'' از حکیم عزیزالرحمن اعظمی لیکچرار جامعہ طبیہ،)

[1]یہ صحیح حدیث ہے۔ اسے ترمذی (۲۰٦۸) ''الطب'' نسائی نے ''سنن کبری'' میں جیسا کہ ''تحفة الاشراف'' (۲/ ۱۸۹) میں ہے۔ ابن ماجه (۳۴۵۵) ''الطب'' دارمی (۲/ ۳۳۸) ''الرقائق'' احمد (۲/ ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۵٦، ۳۵۷، ۳۸۸، ۴۲۱، ۴۹۰، ۵۱۱) اور ابو یعلی (٦۴۰۷) نے ابو ہریرۃ رضی الله عنه سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابو بشر جعفر بن ایاس نے اس کو ابو ہریرہ کی بجائے ابو سعید خدری اور جابر سے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ''ابن ماجه'' (۳۴۵۳) جبکہ ایک جماعت: مطر الوراق، قتادۃ، عباد بن منصور، جعفر بن ابی وحشیۃ، عقبۃ الاصم اور خالد الحذاء نے ابو ہریرہ کہا ہے۔ بعض روایات میں جعفر بن ایاس نے بھی ان کی طرح اس حدیث کو ابوہریرۃ سے ہی روایت کیا ہے: ملاحظہ ہو: ''مسند طیالسی'' (۱/ ۳۴۵) ''مسند احمد'' (۲/ ۳۰۱، ۴۸۸) اور ''مسند ابو یعلی'' (٦۳۹۸) اور صحیح بھی یہی ہے کہ یہ حدیث ابوہریرہ سے ہے۔ مزی نے بھی ''تحفة الاشراف'' (۲/ ۱۸۹، ۱۰/ ۱۱۲، ۱۱۳) میں اسی کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح ''مصباح الزجاجه'' (۱۲۰۲) بھی دیکھیں۔اس حدیث کی سند میں شہر بن حوشب ہیں اور یہ مختلف فیہ ہیں مگر یہ حدیث اپنی دوسری سند اور شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ ابن ابی شیبہ (۵/ ۳٦) نے اس کو ابوہریرہ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے جس میں عباد بن منصور ہے، حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں اس کو ''صدوق'' کہا ہے جبکہ ذہبی نے ''الکاشف'' میں اسے ضعیف کہا ہے مگر یہ اپنی دونوں سندوں کی بنا پر حسن درجہ کی ہے اور درج ذیل شواہد کی تائید سے صحیح حدیث ہے۔ ان شواہد میں رافع بن عمرو المزنی رضی الله عنه اور بریدۃ رضی الله عنه کی حدیثیں ہیں: ۱۔ رافع بن عمرو کی حدیث کو احمد (۳/ ۴۲٦، ۵/ ۱٦، ٦۵) ابن ماجه (۳۴۵٦) طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (۵/ ۱۸/ ۴۴۵٦، ۴۴۵۷) میں اور حاکم (۴/ ۱۲۰، ۲۰۳) نے روایت کیا ہے۔اس کی سند شواہد میں حسن درجہ کی ہے۔ حاکم، ذہبی اور بوصیری نے ''مصباح الزجاجه'' (۱۲۰۳) میں اس کو صحیح کہا ہے۔ ۲۔ بریدہ کی حدیث کو احمد (۵/ ۳۴٦، ۳۵۱) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ''صالح بن حیان القرشی'' کی وجہ سے ضعیف ہے۔ زہیر بن معاویہ نے ''صالح بن حیان'' کی بجائے اس کو ''واصل بن حیان'' کہا ہے اور یہ ان سے غلطی ہوئی ہے جیسا کہ کبار ائمہ نے صراحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ''تہذیب الکمال'' (۱۳/ ۳۳، ۳۴) اور ''تہذیب التہذیب'' (۴/ ۳۳۸)

جلد واپسی کا مستحب ہونا:

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حرمین شریفین میں قیام سے تو کبھی بھی جی نہیں بھرتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ حج وعمرہ کے مناسک مکمل ہو جانے کے بعد اپنے گھروں کو جلد لوٹ جانا مستحب ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ایک عام ہدایت پر مشتمل ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اَلسَّفَرُ قِطْعَۃٌ مِنَ الْعَذَابِ ، یَمْنَعُ اَحَدَکُمْ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ، فَاِذَا قَضٰی اَحَدُکُمْ نَھْمَتَہٗ مِنْ وَجْھِہٖ فَلْیُعَجِّلِ الرُّجُوْعَ اِلٰی اَھْلِہٖ)) [1]

[1]اس حدیث کو مالک (۲/ ۹۸۰) ''الاستئذان'' نے سمی سے اور انھوں نے ابو صالح کے واسطے سے ابوہریرہ رضی الله عنه سے روایت کیا ہے۔ اور امام مالک کے طریق سے اس کو بخاری (۴/ ۱۸۰) ''العمرۃ'' مسلم (۱۳/ ۷۰) ''الامارۃ'' ابن ماجه (۲۸۸۲) ''الحج'' دارمی (۳/ ۲۸٦) ''الاستئذان'' بیہقی نے ''سنن'' (۵/ ۲۵۹) اور ''الآداب'' (۸۲۰) میں،)

''سفر بھی عذاب کا ایک حصہ ہے کیونکہ یہ تمھیں (وقت پر اور مناسبِ حال) کھانے پینے سے روکتا ہے لہٰذا تم میں سے جب کوئی شخص اپنا کام پورا کر لے تو جلد اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹ آئے۔''[1]

اور سنن دار قطنی میں تو خاص حج کے بارے میں بھی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((إِذَا قَضَىٰ أَحَدُكُمْ حَجَّهُ فَلْيَتَعَجَّلْ إِلَىٰ أَهْلِهِ، فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِأَجْرِهِ)) [2]

[1]احمد (۲/ ۲۳۶، ۴۴۵) طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' (۱/ ۲۲۰) میں، ابو الشیخ نے ''طبقات المحدثین'' (۲/ ۲۵۱) میں، ابن جمیع نے ''معجم الشیوخ'' (۲۲۵) میں، سھمی نے ''تاریخ جرجان'' (۳۹۴) میں اور قضاعی نے ''مسندالشھاب'' (۲۲۵) میں روایت کیا ہے۔ عبدالرزاق (۹۲۵۵) نے سھیل بن ابی صالح اور ابن جمیع(۲۴۸) نے صفوان بن سلیم کے واسطے سے بھی اس کو ابو صالح عن ابی ہریرۃ روایت کیا ہے۔ ابن عدی (۴/ ۱۴۴۶) اور ابو الشیخ نے اس حدیث کو دوسری سندوں سے بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مگر ابو الشیخ کی سند ضعیف اور ابن عدی کی سند سخت ضعیف ہے۔ نیز یہ حدیث ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے: ۱۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ابن عدی (۶/ ۲۱۶۷) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں محمد بن عبدالمالک ہے ،ابن عدی نے اس کو سخت ضعیف کہا ہے۔ ۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' (۱/ ۲۲۰) میں روایت کیا ہے اور یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ [2] اس حدیث کو دار قطنی (۲/ ۳۰۰) اسی طرح حاکم (۱/ ۴۷۷) اور بیہقی (۵/ ۲۵۹) نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ امام حاکم نے اس کو بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے مگر اس کی سند ان کی شرط پر نہیں ہے۔

''تم میں سے جب کوئی شخص مناسکِ حج پورے کر لے تو اسے جلد اپنے گھر لوٹ جانا چاہیے اس کے لیے یہی زیادہ اجر کا باعث ہے۔''

جبکہ صحیح بخاری ومسلم میں جلد واپس لوٹ جانے کے بارے میں دنوں کی تعیین وحد بندی بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((يُقِيمُ الْمُهَاجِرُ بِمَكَّةَ بَعْدَ قَضَاءِ نُسُكِهِ ثَلَاثًا)) [1]

''مہاجر (باہر سے آنے والا آفاقی حاجی) مناسکِ حج مکمل کر لینے کے بعد صرف تین دن قیام کرے۔'' ان تینوں احادیث سے اہلِ علم نے مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد جلد واپس وطن لوٹ جانے کے استحباب کی دلیل اخذ کی ہے لیکن اگر کوئی تین دن سے زیادہ رکتا ہے تو منع بھی نہیں ہے۔

واپسی کے آداب:

اگر آپ حج سے پہلے ہی مدینہ طیبہ کی زیارت سے فارغ ہو گئے تھے اور مکہ مکرمہ سے ہی واپس وطن لوٹ رہے ہیں تو ''طوافِ وداع'' میں ذکر کیے گئے آداب کو اختیار کریں اور روانہ ہو جائیں اور اگر حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ آئے تھے تو یہاں مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی الٹے پاؤں نکلنا مشروع وثابت نہیں ہے بلکہ حسبِ معمول سیدھے ہی نکل آئیں اور جب مسجد سے باہر اپنا بایاں پاؤں پہلے رکھیں تو صحیح مسلم، سنن ابو داود، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں مذکور یہ دعا پڑھیں:

[1]بخاری (۳۹۳۳) ''مناقب الانصار'' مسلم (۹/ ۱۲۱) ''الحج'' اسی طرح اس حدیث کو ترمذی (۹۴۹) ''الحج'' بیہقی (۳/ ۱۴۷) عبدالرزاق (۸۸۴۲، ۸۸۴۳) احمد (۴/ ۳۳۹، ۵/ ۵۲) حمیدی (۸۴۴) اور خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' (۶/ ۲۶۷، ۲۷۰) میں العلاء بن الحضرمی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ مگر مذکورہ الفاظ مسلم اور ترمذی وغیرہ کے ہیں۔

((اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ)) [1]

''اے اللہ! میں تیرے فضل وکرم کا طلب گار ہوں۔''

مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت کس راستے سے نکلنا ہے؟ اس کا کوئی ذکر وارد نہیں ہوا، اپنے مناسبِ حال کسی بھی راستے سے نکلیں اور واپسی کے وقت سفر اور سواری کی دعائیں کریں جنھیں ہم آغازِ کتاب میں ''آدابِ سفر'' کے ضمن میں ذکر کر آئے ہیں۔ راستے میں قیام، شہروں کو دیکھنے اور دیگر مواقع کی دعائیں کرتے آئیں اور جب اپنا شہر نظر آجائے تو صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد میں مذکور یہ دعا کریں:

((آئِبُوْنَ ، تَائِبُوْنَ ، عَابِدُوْنَ ،سَاجِدُوْنَ ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ)) [2]

''ہم تو تائب ہو کر سجدہ وعبادت گزاری کا عہد کر کے لوٹ آئے ہیں اور اپنے رب کی تعریفیں کرتے ہیں۔''

جب اپنے شہر، قصبہ یا گاؤں پہنچیں تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنی مسجد میں جائیں اور دو رکعت نماز ادا کریں کیونکہ ابو داود میں مذکور ایک حدیث کی رُو سے یہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔[3]

اور پھر جب اپنے گھر آئیں تو گھر میں داخل ہوتے ہی ابو داود میں مذکور یہ دعا کریں:

((اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰہِ

[1]اس حدیث کی تخریج (۱۴۶) میں دیکھیں۔ [2] یہ دعا عبداللہ بن عمر اور انس کی حدیث میں ہے: ۱۔ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بخاری (۱۷۹۷، ۳۰۸۴) ''الحج والجہاد'' اور مسلم (۹/ ۱۱۱، ۱۱۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ۲۔ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کو بھی بخاری (۳۰۸۵، ۳۰۸۶) اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا۔ [3] یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ اس بارے میں دیگر احادیث بھی ہیں، ان کی تفصیل کے لیے نمبر (۴۶) دیکھیں۔

وَلَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا)) [1]

''اے اللہ! میں تجھ سے داخل ہونے اور نکلنے کی جگہوں کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔ تیرا نام لے کر ہم یہاں سے نکلے تھے اور اے ہمارے معبود وپروردگار! تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے۔'' اس کے بعد گھر والوں کو سلام کہیں اور اہلِ خانہ سے ملیں۔ آپ کا یہ مبارک سفر حج وعمرہ مکمل ہو گیا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ روئے زمین پر بسنے والے تمام مسلمانوں کو شرفِ حج وعمرہ سے نوازے۔ آمین

قارئین کرام! اس کے ساتھ ہی زیادہ باریکیوں اور تفصیلات سے قطع نظر مگر بادلیل وباحوالہ انداز سے اور ضروری واہم امور کے اعتبار سے، حج و عمرہ اور زیاتِ مدینہ کے فضائل ومسائل اور احکام و آداب کا یہ سلسلہ بھی مکمل ہو گیا ہے۔

قربانی کے احکام

قربانی کی مشروعیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"خالق کے لیے قربانی اس جان کے فدیے کے قائم ہے جو گناہوں کی وجہ سے تباہی کی مستحق ہو گئی تھی۔" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ "

"اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انھیں دے رکھے ہیں:"[1]

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کرنا اور خون بہانا تمام شریعتوں میں مشروع عمل رہا ہے۔ قربانی کے جانوروں کی دو قسمیں ہیں:

ہدی

جو جانور جیسے: اونٹ گائے وغیرہ حرم کی طرف لایا جائے اور وہیں ذبح کیا جائے اسے ہدی کہتے ہیں۔اس کا نام ہدی اس لیے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربان کیا جاتا ہے۔

اُضحیہ

اس جانور کو کہتے ہیں جو اللہ کے تقرب کے لیے عید کے روز اور ایام تشریق میں ذبح کیا جائے۔

سب سے افضل قربانی اونٹ کی قربانی ہے، پھر گائے کی بشرطیکہ اکیلے شخص کی طرف سے ہو کیونکہ یہ جانور قیمت کے لحاظ سے مہنگے ہوتے ہیں، نیز ان میں فقراء مساکین کا فائدہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اونٹ، گائے کے بعد بکرے مینڈھے یا دنبے کا درجہ ہے۔ پھر ہر جنس میں سے جو جانور خوب موٹا تازہ ہو اور زیادہ قیمتی ہو وہ افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ "

"اور جو شخص اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں کی تعظیم کرے تو بلاشبہ یہ دلوں کی پرہیز گاری کی وجہ سے ہے۔"[2]

دنبہ یا مینڈھا جذع یعنی چھ ماہ کا ہو جائے تو اس کی قربانی جائز ہے (جمہور کے نزدیک "جذع "ایک سال کے دنبے یا مینڈھے کو کہتے ہیں) البتہ اونٹ گائے، بکری کا دودانتا ہونا ضروری ہے۔ واضح رہے اونٹ چھٹے سال میں گائے تیسرے سال میں اور بکری بھیڑ، دنبہ دوسرے سال میں داخل ہو جائے تو عموماً دودانتا ہو جاتا ہے۔

حج میں بطور ہدی بکرا یا مینڈھا صرف ایک شخص کی طرف سے قربان کیا جا سکتا ہے جبکہ عید الاضحیٰ میں ایک شخص اور اس کے اہل وعیال کی طرف سے کافی ہو تا ہے، البتہ اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں، چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

[1]۔الحج 22۔34۔ [2] ۔الحج 22۔32۔

"امرنا أَنْ نَشْتَرِكَ فِي الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ: كُلُّ سَبْعَةٍ مِنَّا فِي بَدَنَةٍ"

"(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات سات افراد شریک ہو جائیں۔"[1]

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص اپنے اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتا جو سارے گھر والے کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے تھے۔[2]

واضح رہے اونٹ یا گائے میں ساتویں حصے کی نسبت ایک بکری یا بکرے کی قربانی افضل ہے۔

قربانی کے جانور کا صحیح وسلامت اور تندرست ہونا ضروری ہے، یعنی وہ کمزور، کانا، اندھا، بیمار، لنگڑا اور زیادہ بوڑھا نہ ہو۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَربعٌ لا تجوزُ في الأضاحِي: العَوراءُ بَيِّنٌ عَوَرُها، والمريضةُ بَيِّنٌ مَرَضُها، والعَرجاءُ بينٌ ظَلْعُها والكَسيرُ التي لا تُنْقِي"

"چار قسم کے جانور کی قربانی جائز نہیں جو نمایاں طور پر کانا، مریض، لنگڑا اور ٹانگ ٹوٹا ہوا بغیر گودے والا ہو۔"[3]

جانور کی قربانی کرنے کا وقت نماز عید ادا کرنے کے بعد سے لے کر تیرہ ذوالحجہ کو غروب آفتاب تک ہے اور یہی قول صحیح ہے۔

حج تمتع یا حج قران کی قربانی ہو یا عید الاضحیٰ کا موقع، اس میں مستحب یہ ہے کہ اس گوشت کے تین حصے کیے جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا" "پس تم آپ بھی کھاؤ اور (بھوکے فقیروں کو بھی) کھلاؤ۔"[4] البتہ حج کے موقع پر کسی واجب کے ترک یا کسی ممنوع کام کے کرنے پر کفارے کی قربانی کے گوشت سے خود کچھ نہ کھائے۔

جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے سے لے کر جانور ذبح کرنے تک اپنے جسم کے

[1]۔صحیح مسلم الحج باب بیان وجوہ الاحرام حدیث 1213۔ومسند احمد 292/3۔293۔ [2] ۔جامع الترمذی الاضاحی باب ماجاء ان الشاۃ الواحدۃ تجزی عن اھل البیت حدیث 1505۔وسنن ابن ماجہ الاضاحی باب من ضحی بشاۃ عن اھلہ حدیث 3147۔ [3] ۔سنن ابن داؤد الضحایا باب ما یکرہ من الضحایا حدیث :2802۔ وسنن النسائی، الضحایا، باب ما نھی عنہ من الاضاحی ،حدیث4374۔ [4] ۔الحج 22۔28۔ آیت سے قربانی کے گوشت کے تین حصے بنانے کا استدلال محل نظر ہے۔(صارم)

بال اور ناخن نہ کاٹے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"مَنْ كَانَ لَهُ ذِبْحٌ يَذْبَحُهُ فَإِذَا أَهَلَّ هِلاَلُ ذِي الْحِجَّةِ فَلاَ يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهِ وَلاَ مِنْ أَظْفَارِهِ شَيْئًا حَتَّى يُضَحِّيَ "

"جس کے پاس قربانی کا جانور ہو، جسے وہ ذبح کرنا چاہتا ہو۔جب ذوالحجہ کا چاند نظر آجائے تو وہ اپنے بال اور ناخن قربانی دینے تک نہ کٹوائے۔"[1]

اگر کسی نے قربانی کا جانور ذبح کرنے سے پہلے کچھ بال یا ناخن کاٹ لیے تو وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اس پر کوئی فدیہ نہیں۔

[1]۔صحیح مسلم، الاضاحی، باب نھی من دخل علیہ عشر ذی الحجہ، حدیث (42)1977۔

قربانی کا مسنون طریقہ:

مسئلہ:... قربانی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جانور کو قبلہ رو کرکے (بائیں پہلو پر) لٹائیں اور اس کے دائیں پہلو پر اپنا پاؤں رکھیں۔اور تکبیر کہتے ہوئے چھری چلادیں۔

مسئلہ:... اُونٹ کو نحر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا اگلا بایاں پاؤں اس کے گھٹنے سے باندھ کر اسے تین ٹانگوں پر کھڑا رہنے دیں۔اور اسے قبلہ رو کرلیں۔اور اس کی گردن کو پیچھے کی طرف موڑ کر اس کی رَسی اس کی دُم سے باندھ دیں اور ذبح ونحر کی دعائیں کرتے ہوئے اس کی ٹانگوں کی جڑوں اور گردن کے آغاز میں موجود گڑھے میں خنجر یا برچھا مار دیں۔اونٹ کے لیے مستحب تو یہی طریقہ نحر ہے۔البتہ اسے بیٹھے بیٹھے ذبح کرنا بھی جائز ہے۔(عمدۃ المفتین للنووی ۳/۳۰۷)

مسئلہ:... قربان کو نحر یا ذبح کرتے وقت یہ اذکار و دعائیں پڑھیں:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ)) (صحیح مسلم)

"اللہ کے نام سے، اور اللہ سب سے بڑا ہے۔"

((اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا مِنْكَ وَلَكَ)) (صحیح مسلم)

"یا اللہ! یہ تیری توفیق سے ملا اور تیری رضاء کے لیے دیا ہے۔"

((اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ)) (صحیح مسلم)

"اے اللہ! اسے میری طرف سے قبول فرما۔"

مسئلہ:... قربانی کا گوشت خود بھی کھانا اور دوسروں کو بھی کھلانا چاہیے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (مسلم)

مسئلہ:... اگر قربانی دینے کی طاقت نہ ہو تو تین روزے ایام حج میں اور سات واپس اپنے گھر جاکر یا حج کے بعد مکہ میں رکھ لیں۔

توضیح:... یہ تین روزے قربانی کے دن سے پہلے رکھ لینے چاہیے۔ عرفہ کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ عرفہ کا دن حاجی کے لیے عید ہے۔ اس کے لیے اس دن روزہ نہیں۔ اگر کسی وجہ سے پہلے یہ روزے نہیں رکھ سکے تو حج کے فوراً بعد رکھ لیں زیادہ تاخیر نہ کریں۔

مسئلہ:... قربانی کے بعد سر منڈوالیں یا بال چھوٹے کروالیں۔ سر منڈوانا افضل ہے۔ (متفق علیہ)

مسئلہ:... عورتیں اپنی چوٹی کے بالوں کو اکٹھا کر کے آخر سے تمام بالوں کو انگلی کے پورے کے برابر کاٹ لیں۔ ناخن بھی کاٹ لیں تو بہتر ہے۔ (زادالمعاد ۲/۲۷۰)

مسئلہ:... بال کٹوانے کے بعد احرام کھول دیں اور خوشبو وغیرہ لگائیں۔ یہ تحلّل اول ہے۔ اب میاں بیوی کے تعلقات کے سوا تمام پابندیاں ختم ہو گئیں۔

مسئلہ:... جو لوگ قربانی کے لیے کوپن لیے ہوئے ہوں، وہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد بال کٹوائیں اور احرام کھول لیں۔

مسئلہ:... اگر قربانی کا جانور تھک ہار کر قریب المرگ ہو جائے تو اسے ذبح کر کے عام فقراء اور مساکین کے لیے چھوڑ دیا جائے، قربانی کرنے والا اس میں سے کچھ بھی نہ کھائے۔

قربانی کی غلطیاں:

☆ایسی قربانی کرنا جو کہ شرعی شرائط پر پوری نہ ہوتی ہو۔

☆لنگڑا، بیمار؛ کانا اور ٹوٹے سینگ والا جانور قربان کرنا۔

☆قصاب کو قربانی کے جانور میں سے کچھ اجرت کے طور پر دینا۔ ہاں اگر مزدوری پوری ادا کرنے کے بعد بطور صدقہ یا ھدیہ کے کچھ گوشت اسے دیدیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

☆ قربانی کے گوشت کو مستحقین کی موجودگی میں ذخیرہ کرلینا۔

☆وقت سے پہلے قربانی کرنا۔اس صورت میں دوبارہ قربانی کی جائے۔اس کا وقت عید کی نماز ہے۔اور حج میں رمی جمرہ کے بعد۔

☆حج کی قربانی حدود حرم سے باہر کرنا۔اس صورت میں یہ نفلی قربانی ہوگی اور حج کی قربانی دوبارہ حدود حرم میں ہی کرنی ہوگی۔

مسئلہ:... تمتع اور قِران کرنے والے بچوں کی طرف سے بھی قربانی واجب ہے۔

قربانی کرنے والے کے لیے ہدایاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

مسئلہ:... جو قربانی کرنا چاہتا ہو، وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد اپنے ناخن اور بال نہ کاٹے۔یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو حج پر نہ ہوں۔حاجی کو چاہیے کہ وہ احرام سے پہلے اپنی بغلیں، زیر ناف صاف کرلے؛ مونچھیں تراش لے، اور ناخن بھی کاٹ لے۔ایسے ہی یہ حکم ان لوگوں بھی شامل نہیں جن کے پاس قربانی نہیں۔

مسئلہ:... قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے نحر یا ذبح کرنا سنّت ہے۔(متفق علیہ) توضیح:...عورتیں اپنی قربانی کا جانور خود بھی ذبح کرسکتی ہیں۔حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو اسکا حکم فرمایا کرتے تھے۔(بخاری)

مسئلہ:... حاجی حضرات کے لیے اگر اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو وہ بنک میں بھی پیسے جمع کرواسکتا ہے، اور کسی قابل اعتماد انسان کو اپنی طرف سے وکیل بھی بناسکتا ہے۔

مسئلہ:... گوشت کاٹنے اور بنانے والے کو اجرت کے طور پر قربانی کی کھالیں یا قربانی کا گوشت نہیں دینا چاہیے۔(متفق علیہ)

مسئلہ:... حاجی کے لیے قربانی کا وقت بڑے جمرہ کی رمی کرنے کے بعد شروع ہو جاتا ہے؛ جب کہ عام لوگوں کے لیے قربانی کا وقت نمازِ عید پڑھ لینے کے بعد شروع ہوتا ہے۔اگر کسی نے نماز سے پہلے ہی جانور ذبح کرلیا تو اسکا گوشت تو حلال ہے مگر قربانی کا ثواب نہیں ہوگا۔اسے چاہیے کہ اس کی جگہ دوسرا جانور بطور قربانی ذبح کرے۔(بخاری ومسلم)

☆ قربانی کا جانور جتنا ہی اچھا اور قیمتی ہوگا، اسی قدر اس کا اجر وثواب بھی ہوگا۔

قربانی کا جانور کیسا ہو؟:

مسئلہ:... قربانی کا جانور صحت مند اور موٹا تازہ ہو تو یہ زیادہ باعثِ اجر وثواب ہے۔

مسئلہ:... خصّی جانور کی قربانی جائز ہے۔

مسئلہ:... حاملہ جانور کی قربانی بھی جائز ہے۔

مسئلہ :... قربانی کا جانور ایسا لنگڑا نہ ہو کہ جسکا لنگڑا پن ظاہر ہو، آنکھوں سے ایسا کانا نہ ہو کہ کانا پن ظاہر ہو، ایسا بیمار نہ ہو کہ جس کی بیماری نمایاں ہو، ایسا لاغر و کمزور نہ ہو کہ جس کے جسم میں چربی اور ہڈی میں گودا نہ ہو۔ اور نہ ہی کان کٹا ہوا ہو اور نہ ہی سینگ والے جانور کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو۔ اور جانور انتہائی بوڑھا اور لاغر نہ ہو۔

مسئلہ :... قربانی کا جانور خریدنے کے بعد اگر اس میں کوئی عیب آجائے (مثلاً: سینگ ٹوٹ جائے) تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ البتہ اگر کوئی صاحبِ حیثیت ہے اور جانور بدل لیتا ہے تو یہ افضل ہے، لیکن بلا وجہ جانور بدلنا جائز نہیں۔

مسئلہ :... قربانی کا بکرا یا دنبہ ایسا ہو کہ دودھ کے دو دانت نکال چکا ہو۔ یعنی جذعہ یا کھیرا نہ ہو بلکہ مُسِنّہ یا دو دانتا ہو اور اہلِ لغت کے یہاں جذعہ وہ بکرا، مینڈھا یا دنبہ ہوتا ہے جو اپنی عمر کا ایک سال مکمل کر چکا ہو۔ جب کہ گائے کی عمر دو سال ہونی چاہیے۔ اور اونٹ کی عمر پانچ سال ہونی چاہیے۔ (مناسک الحج والعمرۃ از قحطانی ۶۴۰)

فوت شدگان کی طرف سے قربانی:

مسئلہ :... فوت شدگان کی طرف سے قربانی دی جاسکتی ہے۔ اگرچہ امام ابن المبارکؒ کے بقول زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ دیا جائے اور اگر قربانی دی جائے تو اسکا سارا گوشت تقسیم کر دیا جائے۔ (الفتح الربانی ۱۰۹/۱۳۔ ۱۱۲، فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۰۶/۲۶)

مسئلہ :... اگر کسی فوت شدہ کی طرف سے قربانی دیں تو پھر کم از کم دو جانور ذبح کریں۔ ایک فوت شدہ کی طرف سے اور دوسرا اپنی اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے۔

عقیقہ کے مسائل

عقیقہ کرنا حقوق اولاد میں سے والد کے ذمے ایک حق ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے تقرب کی خاطر ایک جانور (بکرا یا چھترا) ذبح کرنا ہوتا ہے۔

عقیقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں کا عقیقہ کیا تھا جیسا کہ سنن ابو داؤد میں ہے:

" أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَبْشًا كَبْشًا..... وفي سنن النسائي « كَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ "

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ ایک ایک مینڈھا ذبح کر کے کیا۔"[1]

سنن نسائی میں ہے:" آپ نے دو دو مینڈھے ذبح کیے۔"[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین اپنی اولاد (کی طرف سے) کے عقیقے کرتے آئے ہیں۔ بعض اہل علم عقیقے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات کی دلیل سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کل غلام مرتھن بعقیقتہ" "ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے۔"[3]

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچہ اپنے والدین کے حق میں سفارش کرنے کا اہل نہ ہو گا جب تک اس کا عقیقہ نہیں کیا جاتا۔"[4]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بچے کا عقیقہ اس کے حسن اخلاق اور اعلیٰ عادات کا سبب ہے۔"

صحیح اور درست بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ عقیقہ سنت مؤکدہ ہے۔ عقیقے میں جانور ذبح کرنا اس کی قیمت کے

[1]۔سنن ابی داود الضحایا باب فی العقیقه حدیث 2841۔ [2] ۔سنن النسائی العقیقه باب کم یعق عن الجاریة حدیث4224اور یہی راجح ہے دیگر صحیح احادیث کے بھی موافق ہے- دیکھیے: ارواء الغلیل 379/4۔(ع۔و) [3] ۔سنن ابن ماجه الذبائح باب العقیقة حدیث 3165۔ [4] ۔زاد المعاد 326/2۔

صدقہ کرنے سے افضل ہے کیونکہ جانور ذبح کرنے میں اللہ تعالیٰ کے تقرب کا حصول ہے، فقراء پر صدقہ ہے اور نومولود بچے کا فدیہ ہے۔ لڑکے کے عقیقے میں دو بکریاں ذبح کی جائیں جو عمر و شکل میں دونوں ایک جیسی ہوں، لڑکی کے عقیقے میں ایک بکری ذبح کی جائے۔ سیدہ اُم کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا:

"عنِ الغُلامِ شَاتَانِ مُكافِئتانِ ، وعنِ الْجاريةِ شاةٌ"

"لڑکے کی طرف سے عقیقے میں دو بکریاں ذبح کی جائیں جو دونوں ایک جیسی ہوں لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔[1]

لڑکے اور لڑکی کے عقیقے کی مقدار میں جو فرق ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ بہت سے احکام شرعیہ میں لڑکی لڑکے سے نصف درجہ اور حیثیت رکھتی ہے، نیز لڑکا والد کے لیے ایک کامل نعمت ہے اور اس سے والد کو خوشی و مسرت زیادہ حاصل ہوتی ہے، اسی لیے اس کا شکر بھی زیادہ ادا کرنا چاہیے۔ عقیقے کے لیے افضل اور مسنون وقت بچے کی ولادت کا ساتواں دن ہے، البتہ اگر ساتویں دن سے پہلے یا بعد میں بھی عقیقہ ہوا تو بھی جائز ہے۔ ساتویں روز ہی بچے کا نام رکھنا افضل ہے، چنانچہ سنن وغیرہ میں روایت ہے: "يُذبحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُسَمّٰى" "ساتویں روز بچے کا عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔"[2]

اگر بچے کی ولادت کے دن ہی اس کا نام رکھ دیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ بعض حضرات کے نزدیک ایسا کرنا بہتر ہے۔

نام اچھا رکھنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ فَأَحْسِنُوا أَسْمَاءَكُمْ "

"تم(قیامت کے روز) اپنے اور اپنے باپ کے نام کے ساتھ پکارے اور بلائے جاؤ گے، لہٰذا اپنے نام اچھے رکھو۔"[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھانام پسند کرتے تھے اور جس نام میں غیر اللہ کی عبدیت ہوتی اسے حرام قرار دیتے تھے مثلاً:

[1]۔سنن ابی داود الضحایا باب فی العقیقة حدیث 2836۔وجامع الترمذی الاضاحی باب الاذان فی اذن المولود حدیث 1516۔وسنن ابن ماجه الذبائح باب العقیقة حدیث 3162 واللفظ له۔ [2] ۔وجامع الترمذی الاضاحی باب من العقیقه حدیث1522۔ [3] ۔ضعیف سنن ابی داؤد الادب باب فی تغییر الاسماء حدیث 4946وسلسلة الاحادیث الضعیفه حدیث 5460۔

عبدالکعبہ النبی، عبدالمسیح عبد علی، اور عبدالحسین وغیرہ۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ہر وہ نام رکھنا حرام ہے جس میں غیر اللہ کی طرف عبدیت کی نسبت ہو، مثلاً: عبد عمر، عبد الکعبہ وغیرہ۔ اسی طرح غیر مناسب نام رکھنا بھی مکروہ ہے، مثلاً: عاصی، کلیب، حنظلہ، مرہ(کڑوا) حزن(غم، سخت) اسی طرح اپنی اولاد کے وہ نام رکھنے جو برے اشخاص یا بری جگہوں کے ہوں مکروہ ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللَّهِ عَبْدُ اللَّهِ ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ "

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے ناموں میں سے پسندیدہ نام "عبداللہ" اور "عبدالرحمٰن" ہیں۔"[1]

الغرض ہر مسلمان کے لائق ہے کہ وہ اپنے نومولود کا اچھاسانام رکھے اور حرام ومکروہ قسم کے نام سے اجتناب کرے کیونکہ یہ والد کے ذمے اولاد کا حق ہے۔"[2]

عقیقہ میں وہی جانور کفایت کرتا ہے جو قربانی میں کفایت کرتا ہے، یعنی مناسب عمر ہو(دو دانتا ہونا ضروری نہیں) اچھی خوبیوں سے آراستہ ہو، عیب و مرض سے محفوظ ہو۔ جسمانی حالت خوب اور کامل ہو اور موٹا تازہ ہو۔ اس کا گوشت خود کھانا، کسی کو ہدیہ دینا اور صدقہ کے طور پر دینا مستحب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ قربانی کے جانور کی طرح اس کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔[3]

عقیقے کے بعض احکام عید الاضحیٰ کی قربانی سے مختلف ہیں۔ عقیقے کی قربانی میں شراکت جائز نہیں، لہٰذا اونٹ یا گائے عقیقے میں کامل طور پر قربان کی جائے کیونکہ عقیقہ جان کا فدیہ ہے جس میں شراکت درست نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔[4]

والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی طرح تربیت کرنے اور انھیں محاسن واخلاق سے آراستہ کرنے میں

[1]۔صحیح مسلم الادب باب النهی عن التکنی بابی القاسم حدیث2132۔ [2] ۔بچوں کے نام رکھنے سے متعلق مکمل راہنمائی کے لیے کتاب "پیارے نام"کا مطالعہ فرمائیں. نیز''اسلامی ناموں کی ڈکشنری'' طبع دارالسلام کا مطالعہ فرمائیں۔(ادارہ) [3] ۔مؤلف رحمة الله علیه نے اس سے متعلق کوئی دلیل پیش نہیں کی۔(صارم) [4] - عقیقے میں اونٹ گائے کا ذبح کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ۔ حدیث شریف میں صرف شاۃ کا ذکر ہے جس کا اطلاق بکری بکرے مینڈھے یا دنبے وغیرہ پر ہوتا ہے۔(صارم)

دلچسپی لیں کیونکہ بچپن میں ایسی تربیت زیادہ کارگر اور مؤثر ہوتی ہے ورنہ بڑی عمر میں اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ آپ دیکھیں گے کہ بہت سے بچوں کے اخلاق و کردار کے بگاڑ کا سبب بچپن میں اس کی صحیح تربیت نہ کرنا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

وینشأُ ناشئُ الفتیانِ منا ... علی ماکان عَوَّدَہُ أبوہُ

نوجوان اسی طریقے پر پروان چڑھتے ہیں جس طرح ان کے والد نے ان کی تربیت کی ہو۔ اولاد کو غلط لہو و لعب سے اور برے دوستوں کی مجالس سے دور رکھنا نہایت ضروری ہے۔ والدین اپنی اولاد کو گھر میں اچھا ماحول مہیا کریں کیونکہ بچے کے لیے گھر اس کا پہلا مدرسہ ہوتا ہے جس میں اس کے والدین اور دیگر اہل خانہ رہتے ہیں۔ بچوں میں شر اور خرابی پیدا کرنے والے اسباب کو گھروں سے دور ہی رکھنا چاہیے (مثلاً: مخرب اخلاق رسالے اور ڈائجسٹ، فلمی گانوں اور فحش لطیفوں والی کیسٹیں، ٹی وی، وی سی آر، ڈش، کیبل وغیرہ سے جن میں فحش لچر اور لادینی پروگرام پیش کیے جاتے ہیں۔)

علاوہ ازیں بچوں کی اس طرح تربیت کی جائے کہ ان کا دل و دماغ عبادات، اطاعت، احترام دین اور قرآن وحدیث کی تعلیم کی طرف مائل ہو جائے کیونکہ یہ چیزیں دنیا و آخرت کی سعادت کا باعث ہیں۔

الغرض ایک والد اور سرپرست پر لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے ان کے اخلاق و معاملات اور عادات کے سنوارنے میں خود اچھا نمونہ بنے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے اعمال کی توفیق دے جو اسے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین۔

مسنون دعائیں

قرآنی دعائیں:

1.... ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ . وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ (البقرہ: ۱۲۷)

"اے ہمارے رب! تو ہم سے قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔"

2.... ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرہ: ۲۰۱)

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت عطا فرمانا اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔"

3.... ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وقف وَاغْفِرْ لَنَا وقف وَارْحَمْنَا وقف اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ﴾ (البقرہ: ۲۸۶)

" اے ہمارے رب !اگر ہم سے بھول چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔ یا اللہ! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے اللہ! جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھنا اور (اے اللہ!) ہمارے گناہوں سے در گزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہمیں کافروں پر غالب فرما۔"

4.... ﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ○ رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (ابراہیم: ۴۰،۴۱)

"اے اللہ! مجھے (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش) اے اللہ! میری دعا قبول فرما۔ اے اللہ! حساب (کتاب) کے دن مجھے اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کی مغفرت فرما۔"

5.... ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (آلِ عمران:۱۴۷)

"اے ہمارے رب! ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں معاف فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔"

6.... ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ○ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ (آل عمران: ۱۹۱ تا ۱۹۴)

"اے ہمارے رب! تو نے یہ جہاں بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے، پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔ اے ہمارے رب! تو جسے جہنم میں ڈالے یقینا تو نے اسے رسوا کیا، اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں۔ اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ ایک منادی کرنے والا بآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے۔ اے ہمارے رب! ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر، یقینا تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔"

7.... ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (الأعراف:۲۳)

"پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔"

8.... ﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴾ (الأعراف:۱۲۶)

"اے اللہ! ہم پر صبر واستقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں (مارنا) تو مسلمان ہونے کی حالت میں۔"

9....﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ o وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾(یونس:۸۵،۸۶)

"اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے ہاتھ سے آزمائش میں نہ ڈال۔ اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ کافروں کی قوم سے نجات عطا فرما۔"

10....﴿رَبِّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ﴾ (القصص:۱۶)

"اے میرے رب! میں نے خود پر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما دے۔"

11....﴿رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (المومنون:۱۰۹)

"اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے ہیں، پس تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما، تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔"

12....﴿رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا o إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾(الفرقان: ۶۵-۶۶)

"اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے، کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔ بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔"

حدیثِ شریف سے ثابت دعائیں

1....((اللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ إِلَّا مَا جَعَلْتَهُ سَهْلًا وَأَنْتَ تَجْعَلُ الْحَزْنَ سَهْلًا إِذَا شِئْتَ))

"اے اللہ! کوئی چیز آسان نہیں، سوائے اس کے جسے تو آسان کر دے اور جب تو چاہتا ہے تو ہی دشوار کو آسان کرتا ہے۔"

2....((اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ))(متفق علیه)

"اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، بے بسی کاہلی، بزدلی اور شدید بڑھاپے سے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں، عذاب قبر سے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں موت وحیات کے فتنہ سے۔"

3....((اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ)) (مسلم)

"یا اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، زوال نعمت سے، تیری عافیت کے منہ موڑ جانے سے، تیرے ناگہانی عذاب اور تیرے غضب وغصے سے۔"

4....((اللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الاُمُورِ کُلِّھَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الآخِرَۃ))

"اے اللہ! تمام امور میں ہمارا انجام اچھا کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں بچا۔"

5....((لااِلٰہَ اِلا اللّٰہُ الْعَظِیمُ الْحَلِیْمُ لااِلٰہَ اِلا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لا اِلٰہَ اِلا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیم)) (بخاری)

"عظیم و حلیم اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ عرش عظیم کے رب کے سوا کوئی معبود برحق نہیں آسمانوں اور رب عرش کریم کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔"

6....((اللّٰھُمَّ اَکْفِنِی بِحَلاَلِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاغْنِنِی بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ)) (ترمذی: ۳۵۶۳)

"اے اللہ! مجھے حرام سے بچا کر حلال کے ساتھ کفایت عطا کر اور اپنے فضل و کرم کے ساتھ مجھے تو اپنی ذات کے سوا ہر کسی سے غنی کر دے۔"

7....((اللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَتِی وَآمِنْ رَوْعَتِی وَاقْضِ عَنِّی دَیْنِی)) (مشکوٰۃ)

"اے اللہ! میرے پردے رکھنا اور خوف وخطر سے مجھے محفوظ رکھنا اور مجھ پر جو قرضے ہیں انہیں ادا کروانے کی تدبیر کرنا۔"

8.... ((اللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِی دِینِی الَّذِیْ ھُوَ عِصْمَۃُ اَمْرِی وَاَصْلِحْ لِی دُنْیَایَ الَّتِی فِیْھَا مَعَاشِی وَاَصْلِحْ لِی آخِرَتِی الَّتِی فِیْھَا مَعَادِی وَاجْعَلْ الْحَیَاۃَ زِیَادَۃً لِی فِی کُلِّ خَیْرٍ ، وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً لِی مِنْ کُلِّ شَرٍّ)) (مسلم: ۴۰/۱۷)

"یا اللہ! میرے لیے میرے دین کی اصلاح فرما جو میرے تمام امور کی حفاظت و عصمت کا ذریعہ ہے۔ اور میری دنیا کی اصلاح فرما جس میں میرا روزگار ہے اور میری آخرت کی اصلاح فرما جو کہ میرا آخری ٹھکانا ہے، اور ہر بھلائی کے لیے میری عمر دراز کر دے اور ہر برائی سے بچانے کے لیے موت کو میرے لیے باعث راحت بنا دے۔"

9.... ((اللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْعِفَّۃَ وَالْعَافِیَۃَ فِی دُنْیَایَ وَدِیْنِی وَاَھْلِی وَمَالِی ، اللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَتِی وَآمِنْ رَوْعَتِی وَاحْفَظْنِی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِی وَعَنْ یَمِیْنِی وَعَنْ شِمَالِی وَمِنْ فَوْقِی وَاَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِی)) (ابوداؤد)

"اے اللہ! میں اپنے دینی و دنیوی اور اہل و مال کے تمام معاملات میں عفت و عافیت کا طلب گار ہوں۔ اے اللہ! میرے پردے رکھنا اور میری میرے سامنے پیچھے، دائیں، بائیں اور اوپر سے حفاظت فرمانا اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے کہ کہیں زمین میں نہ دھنسا دیا جاؤں۔"

10.... ((اللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ مِنَ الْخَیْرِ کُلِّہِ ، عَاجِلِہِ وَآجِلِہِ، مَاعَلِمْتُ مِنْہُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ ، وَاَعُوذُبِکَ مِنَ الشَّرِّ کُلِّہِ عَاجِلِہِ وَآجِلِہِ مَاعَلِمْتُ مِنْہُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ ، اللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَاسَئَلَکَ بِہِ عَبْدُکَ وَنَبِیُّکَ وَاَعُوذُبِکَ مِن

شَرِّ مَا عَاذَ بِهِ عِبْدُکَ وَنَبِيُّکَ اللّٰهُمَّ أَسْئَلُکَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْعَمَلٍ وَأَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ ،وَأَسْئَلُکَ أَنْ تَجْعَلَ کُلَّ قَضَاءٍ قَضَيْتَهُ لِي خَيْرًا)) (ابن ماجه)

"اے اللہ! میں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا ہوں وہ جلد ہو یا بدیر اور اسے میں جانتا ہوں یا نہیں جانتا ہوں اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں ہر برائی سے جو جلد ہو یا دیر میں اور میں اسے جانتا ہوں یا نہیں بھی جانتا، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بھلائی کا جو تیرے بندے اور تیرے نبی نے تجھ سے طلب کی اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس برائی سے جس سے تیرے بندے اور تیرے نبی نے پناہ طلب کی۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور ہر اس قول وعمل کی توفیق کا جو مجھے اس کے قریب کرے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں نارِ جہنم سے اور ہر اس قول وعمل سے جو مجھے اس کے قریب لے جائے اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو ہر اس فیصلے کو جو میرے بارے میں کر چکا ہے اسے میرے لیے بھلائی والا بنادے۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین پر استقامت عطا فرمائے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔

تمام قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس حقیر اور اس کے والدین بیوی بچوں اور اساتذہ واحباب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ آمین۔

والسلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ

* * * *

ابو عطاء المنعم رضاء الله بن الحاج خان بادشاہ محرم :21محرم 1447ھ: مطابق:2025: جولائی16یوم الاربعاء وقت 4:40العصر

مؤلف کے دیگر تالیفات

1۔کتاب الحجامۃ پښتو ....۔۔ مطبوع

2۔حوارات المسلم عربی .... مطبوع

3۔حوارات النسوۃ عربی .... مطبوع

4۔حوارات ابناء الاسلام .... غیر مطبوع

5۔حوارات بنات الاسلام عربی ....۔۔.. ۔۔مطبوع

6۔حدیقۃ المسلم عربی .... غیر مطبوع

7۔حدیقۃ النسوۃ عربی .... غیر مطبوع

8۔تذکرۃ بیاد شیخ اردو .... مطبوع

9۔اتحاد الامت پښتو ....غیر مطبوع

10۔معارف الاحوال لاصلاح عمل الاطفال پښتو . مطبوع

11۔اسان اصول فقه پښتو .... غیر مطبوع

12۔لغۃ الاطفال عربی .... غیر مطبوع

13۔میزان الصرف عربی ....۔۔ مطبوع

14۔صرف بھائی عربی .... غیر مطبوع

15۔مه غمژن کیګه .... غیر مطبوع

16۔اسلامی نغمے پښتو .... غیر مطبوع

17۔دعوت الی الله ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

18۔روضۃ الاطفال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

19۔پښتو ترجمه اسان مونځ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

حج کے فضائل اور حج وعمرہ کے احکام

20۔ماحکم المیراث فی الاسلام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

21۔اَلْمُکَالَمَةُبَیْنَ یَدَیْکَ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

22۔اسانه طریقه دقرآن مجید دحفظ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

23۔علم القرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

24۔اهل القرآن ورجال القرآن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

25۔پرسکون گھرانہ اور حقوق نسواں۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

26۔المکالمه بین النساء ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

27۔ښلو ینبت دعاګانې او ښلو ینبت حدیثونه ۔۔۔۔۔۔مطبوع

28۔عظمت قرآن بزبان قرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

29۔الجرح والتعدیل وظوابط التحقیق والتخریج ۔۔۔۔۔غیر مطبوع

30۔اصول الحدیث فی حدیث الرسول ۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

31۔توحید باری تعالیٰ سے متعلقہ شکوک وشبہات کاازالہ۔ غیر مطبوع

32۔پښتو ترجمه رہنمائے اساتذہ مطالعۂ قرآن حکیم ۔۔غیر مطبوع

33۔پښتو ترجمه مطالعۂ قرآن حکیم جلد اول ۔۔غیر مطبوع

34۔پښتو ترجمه مطالعۂ قرآن حکیم جلد دویم۔ غیر مطبوع

35۔پښتو ترجمه خیرالاصول فی حدیث الرسول ۔۔۔۔مطبوع

36۔فتنوں مؤمن کا کردار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

37۔نورالقرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

38۔فکری منصوبی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

(39)اہل السنۃ والجماعۃ کا تصور سنت (1)

(40) جھنم کا بیان اور اللہ سے محبت کیوں اور کیسے

(41) اصول الفقہ فی علوم الفقہ

(42) مؤمن کی نماز اور طھارت کے مسائل واحکام

43)**نماز کا مسنون طریقہ اوراس کے احکام و مسائل**

(44)زکاۃ کے فرضیت اور فضائل واحکام

(45) حج کےفضائل واحکام حج وعمرہ

فہرست

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
1	**مقدمۃ**	2
2	حج کی مختصر تاریخ	3
3	مختصر مسائل واحکامِ حج وعمرہ	8
4	فرضیّتِ حج اور تارک کیلئے وعید:	9
5	مفہومِ استطاعت :	10
6	مواقیتِ حج وعمرہ:	13
7	محرّماتِ احرام:(وہ اُمور جو احرام کی حالت میں منع ہیں)	16
8	مباحاتِ احرام:(وہ امور جو احرام کی حالت میں جائز ہیں):	17
9	آدابِ دخول مکہ ومسجدِ حرم:	18
10	مسائل واحکام اور طریقہ طواف:	19

11	مسائل واحکام اور طریقہ سعی:	21
12	مسائل واحکام اور طریقۂ حج احرامِ حج اور منیٰ کو روانگی:	23
13	مزدلفہ کو روانگی:	24
14	ایامِ تشریق اور قیامِ منیٰ:	26
15	بچوں کا حج وعمرہ:	27
16	احکام وآدابِ زیارتِ مدینہ منورہ:[1]	28
17	اقسامِ حج	31
18	افضل حج:	32
19	تلبیہ	34
20	آدابِ تلبیہ:	35
21	فضائلِ تلبیہ:	36
22	محرّماتِ احرام	38
23	فدیہ:	39
24	صاعِ شرعی کا وزن۔ایک تحقیق:	40
25	1۔ناخن کاٹنا:	41
26	3۔جرابیں پہننا:	42
27	6۔دستانے پہننا:	44
28	اس سستی کا سبب:	45
29	ڈھاٹے کی ممانعت:	46
30	فقہ حنفی کی روشنی میں:	47
31	نکاح اور منگنی کرنا:	48
32	شکار میں اشتراک:	51

33	گری پڑی چیزیں اٹھانا:	52
34	کنگھا کرنا:	53
35	غسل کرنا:	54
36	سر دھوتے وقت اس کا ڈھک جانا	55
37	احرام کو بدلنا یا دھونا	56
38	بچوں کا احرام:	58
39	بچوں کا عمرہ:	59
04	بچوں کا حج:	61
41	بچوں کی طرف سے ایامِ تشریق کی رمی میں احتیاط:	62
42	بچوں پر فدیہ وقضا:	64
43	قبل از بلوغت حج کا حکم:	65
44	طوفِ وداع کا طریقہ وآداب :	66
45	آدبِ زیاتِ مدینہ طیبہ	67
46	2۔ حجرہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:	68
47	مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کے آداب:	69
48	توجہ طلب اُمور:۔۔۔۔۔۔ 4۔ مسجدِ قباء:	70
49	5۔ بقیع الغرقد:	71
50	دیگر تاریخی یادگاریں :	72
51	دورانِ حج تجارت ومزدوری:	74
52	عام تحائف اور مقدس ہدیے:	76
53	جلد واپسی کا مستحب ہونا:	77
54	واپسی کے آداب:	78

55	قربانی کے احکام	80
56	قربانی کا مسنون طریقہ:	81
57	قربانی کی غلطیاں:	83
58	قربانی کرنے والے کے لیے ہدایاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:	84
59	عقیقہ کے مسائل	85
60	مسنون دعائیں	88
61	حدیثِ شریف سے ثابت دعائیں	90
62	مؤلف کے دیگر تالیفات	93
63	فہرست	95